قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو اٰیۃ

رواہ البخاری

سلسلۂ

التبلیغ

کا

دسواں وعظ مسمیٰ بہ

احسان الاسلام

منجملہ ارشادات حضرت قبلہ و کعبہ ام مرشدی و مولائی حافظ شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم

حسب فرمائش جناب ناظم صاحب امداد المواعظ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

احقر شبیر علی عفی عنہ کے اہتمام سے

صفر ۱۳۴۱ھ ہجری

مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون میں طبع کیا گیا

احسان الاسلام

این	متے	کم	کیف	لم	ماذا	من ای شئ	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر	سبب وعظ	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کے لئے زیادہ مفید تھا	کسنے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد کانپور	۱۰ محرم ۱۳۳۲ھ جمعہ	۲ گھنٹہ ۵۰ منٹ	کھڑے ہوکر				احمد عبدالحلیم کان اللہ لہ	۱۰۰۰	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلے آلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۝ یہ ایک آیۃ ہو کہ جس کے اول میں رد ہے بعض مدعین کے ایک غلط دعوی کا اور بعد میں دلیل رد کے مقام پر ایک قاعدہ کلیہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ اسمیں حق تعالیٰ نے ایک نہایت ضروری مضمون ذکر فرمایا ہے جو جامع ہے تمام مشرب ومسلک حق کا کہ جس کے بہت سے فروع ہیں اور وہ ایسا ہے جسکے اہمال سے ہم لوگوں کی تمام حالتیں تباہ وبرباد ہو رہی ہیں جس کے اسباب مختلف عنوانوں سے بیان کئے جاتے ہیں مگر حقیقت میں اس تباہی وبربادی کا اصلی سبب اس قاعدہ کلیہ کا چھوڑ دینا ہے اس آیت میں اسی کا ذکر ہے ہر چند کہ رد اور قاعدہ کلیہ دونوں میں یہاں زیادہ محط فائدہ رد ہے مگر وہ قاعدہ کلیہ جو کہ رد کے لئے بھی کافی ہے اور نیز ہماری حالتوں کی اصلاح بھی اس سے وابستہ ہے چونکہ وہ متضمن دو فائدہ کو ہے اسلئے اس وقت بیان میں وہ ہی زیادہ مقصود ہے اور وہ قاعدہ کلیہ کہ جسپر مدار ہے ہماری فلاح کا اور جس سے غافل رہنے کی وجہ سے ہماری خرابی اور تباہی ہو رہی جاتی ہے اور نہایت ضروری ہے وہ تعبیر میں تو بہت چھوٹی سی بات ہے مگر حقیقت میں

بہت بڑی بات ہے اور اس امر ضروری کا نام جس کا تکفل اس قاعدہ نے کیا ہے حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنا ہے اب ان لفظوں کی حقیقت پر جب تک زیادہ غور نہ کیا جاوے یہ سمجھ میں نہ آویگا کہ ہم نے اس قاعدہ کو چھوڑ رکھا ہے اس واسطے کہ ہر شخص یہی جانتا ہے کہ ہمارا خدا سے تعلق ہی یہ تو ٹھیک ہے کہ ہمارا خدا سے تعلق ہے مگر یہ امر غور طلب ہے کہ آیا آپ کو خدا سے تعلق ہے یا خدا کو آپ سے تعلق ہے پس یہ ہے سمجھ لینے کی بات سو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ خدا کو تو ہمسے تعلق ہے اور ہمیں خدا سے تعلق نہیں ہے اور اس نے باوجودیکہ اسکے ذمہ واجب نہیں لازم نہیں مگر اتنے حقوق ادا کیے ہیں کہ ہم ان کا شمار و اندازہ بھی نہیں کر سکتے یہ محض تعلق اور رحمت ہے ورنہ ہمارا کیا حق اور کیا لزوم - اہل سنت نے اس مسئلہ کی حقیقت کو خوب سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کوئی حق خدا پر واجب نہیں جو کچھ وہ عطا فرمائے محض رحمت اور خالص عنایت ہے - معتزلہ نے اس مسئلہ میں اہل سنت کا خلاف کیا ہے خدا جانے کیا سمجھے کہ ہمارا حق خدا پر واجب ہے وجوب کا کوئی سبب کوئی علت ہونا چاہیئے یہ بلا علت واجب کیسے ہوگیا - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ نے کچھ نہیں سمجھا اگر کوئی سبب یا علت ہو تو وہ بھی انھیں کی ہے پھر بھی ہم مستحق نہیں ہو سکتے وہ کہتے ہیں عبادت سے خدا پر جنت دینا واجب ہے اور وجوب عقلی کے قائل ہیں - مگر انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ یہ سبب جو تراشا گیا ہے قطع نظر اسکے کہ یہ سبب بھی انہیں کا عطا کیا ہوا ہے اگر اسمیں کچھ ظاہری سبب ہے تو اس کا یہ اثر موقوف ہے اسکے مقبول ہونے پر سو مقبول ہونا تو درکنار غنیمت ہے کہ ان اعمال پر مواخذہ نہو - لطیف المزاج شخص اندازہ کرے کہ ایک بد سلیقہ خدمتگار ہے پنکھا جھلتے وقت کبھی مار دیتا ہے کبھی کسی کاغذ کو پریشان کر دیتا ہے غرض ایک ادھم مچا رہا ہے اور آقا حلم و کرم سے معاف کر دیتا ہو تو کیا اس خدمتگار کا اپنی اس بیہودہ کارگذاری کو قابل انعام سمجھنا صحیح ہوگا ؟

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے ۔ حاصل خواجہ بجز پندار نیست

وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے بڑی خدمت کی - ارے کمبخت کیا خدمت کی یہ آقا کا احسان ہے کہ وہ کرم کرتا ہے اور بڑی عنایت ہے کہ جرمانہ نہیں کرتا اسی طرح ہماری عبادت ہے کہ ہم اس کا پورا پورا حق تو کیا ادا کرتے کہ محال ہے مگر جتنا سنوار کر ہم کر سکتے ہیں وہ بھی تو نہیں کرتے - کیوں صاحبو کیا اپنی نماز کی حالت آپ درست نہیں کر سکتے - کیا آپ قادر نہیں خشوع و حضور قلب پر اگر کوئی کہے کہ ہم تو قادر نہیں تو ہم کہینگے تم حضور قلب کی حقیقت ہی نہیں جانتے - حضور قلب کی حقیقت یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت برابر یہ خیال رہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں کیا صاحبو! یہ آپ سے نہیں ہو سکتا باقی خیالات اور وساوس کا بند کرنا

حضور قلب نہیں ہے بلکہ یہ سمجھنا ہی غلطی ہے کیونکہ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ خیالات کو روکنا اختیار سے باہر ہے اگر حضور قلب کی یہ حقیقت ہوتی اس سے ایک عقیدہ کی خرابی ہوگی کہ یہ تو ہمارے اختیار سے باہر اور پھر ہم اسکے مکلف تو گویا ہم کو ایسی چیز کی تکلیف دی گئی کہ ہماری قدرت سے باہر ہے اور یہ سراسر خلاف ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا کے کہ کسی ایسی بات کا خدا نے حکم نہیں کیا جو قدرت سے خارج ہو سو اگر حضور قلب کے ایسے معنے ہیں جو قدرت سے خارج ہے تو اس کا مامور بہ ہونا اس آیت کے معارض ہوگا پس حضور قلب کی حقیقت اتنی ہے کہ اسقدر متوجہ رہو کہ میں کیا کر رہا ہوں پھر اگر اس خیال کے ساتھ اور خیال بھی آویں تو آنے دو آپ کا کام یہ ہے کہ کشتی کی سیدھ باندھ لیجئے باقی موجوں کا روکنا کشتی بان کا کام نہیں بلکہ اگر وہ اسکی کوشش بھی کرے تو کشتی کا ساحل پر پہونچنا تو درکنار سلامتی بھی دشوار ہے اسی طرح خیالات وساوس امواج ہیں یہ قیامت تک بند نہیں ہوسکتے آتے ہیں آنے دیجئے امواج کشتی کی رفتار کو روکتی ہیں مگر کھڑا نہیں کرسکتیں اسی طرح خیالات وساوس آتے ہیں آنے دیجئے یہ حضور قلب کے منافی نہیں۔ بس آپ کا کام اتنا ہی ہے کہ آپ برابر یہ خیال رکھیے کہ نماز پڑھ رہا ہوں۔ اب قراءۃ کر رہا ہوں اب سبحان ربی العظیم کہہ رہا ہوں اب سبحان ربی الاعلےٰ کہہ رہا ہوں غرض جو فعل کیجئے اپنے قصد اور اپنے ارادہ سے کیجئے اس طرح نہیں کہ گھڑی میں ایک دفعہ کوک دیدی اب وہ برابر چل رہی ہے ہماری کوک تکبیر تحریمہ ہے ادھر تکبیر تحریمہ کہی اور بس بےفکر ہو گئے اب تمام حساب وکتاب اور تمام معاملات نماز ہی میں طے ہو رہے ہیں ان حرکات کی عادت اور مشق ہو گئی ہے اسلئے جب رکوع کا وقت آتا ہے خودبخود رکوع ہو جاتا ہے جب سجدہ کا وقت آتا ہے تو خودبخود سجدہ ہو جاتا ہے انمیں ہمارے قصد کو دخل ہی نہیں ہوتا حضور قلب کی ایک نہایت آسان مثال ہے وہ یہ ہے کہ کسی حافظ صاحب کو کوئی سورۃ کچی ہو اور تراویح میں سنانا ہو تو وہ کیا کریں گے یہ کریں گے کہ دن بھر دیکھنے کے بعد رات کو جس وقت وہ سورۃ آئیگی برابر سوچتا رہیگا کہ ان ان مقام پر قال فرعون آیا ہے اور ان ان مقام پر قال موسیٰ آیا ہے۔ غرض برابر دھیان اپنے پڑھنے کی طرف رہیگا اور خیالات بھی آتے رہیں گے یہاں تک کہ اول سے آخر تک وہ سورۃ سنا دیگا۔ تو جیسی توجہ حافظ صاحب کو اس کچی سورۃ سنانے کے وقت ہوتی ہے بس یہی حضور قلب ہے۔ اگر حضور قلب قدرت سے خارج ہے تو حافظ صاحب کو کیونکر ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قدرت سے خارج نہیں۔ اور یہ سخت غلطی ہے کہ قدرت سے خارج سمجھ لیا ہے اور عوام کیا بہت سے اہل علم بھی ایسا ہی سمجھ رہے ہیں ان حضرات کو ساری وجہ غلطی کی یہ ہے کہ ہمارے ذہن میں کچھ

کتاب ایسی نہیں جس میں یہ حقائق مذکور ہوں بس حکایتیں دیکھ لیں سن لیں کہ نماز میں تیر لگا اور خبر نہ ہوئی اور اسی کو حضور قلب سمجھ گئے حالانکہ یہ ایک طرح کی حالت ہے وہ بھی اور حضور قلب وہی ہے جو میں نے بیان کیا اس تقریر سے حضور قلب کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہوگی خصوص اس مثال سے تو کوئی شبہ باقی نہ رہا ہوگا جو بات دفتر سے حل نہ ہوتی وہ اس مثال سے واضح ہو گئی۔ جب حقیقت اسکی یہ ہے تو اختیاری ہے چنانچہ قرآن میں جہاں بھولنے کا شبہ ہو ہر شخص سوچ سوچ کے پڑھتا ہی چنانچہ حافظ جی رات کو غوطہ کھا کھا کے سورۃ ختم کرتے ہیں تو ان کو حضور قلب کیسے حاصل ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے اختیار میں ہے جب تو حاصل ہو جاتا ہے اب بتائیے کہ آپ نماز میں کتنا حضور قلب کرتے ہیں پورا تو کیا جتنا کر سکتے ہیں اُتنا بھی نہیں کرتے اور اگر پورا پورا کر بھی لیا تو بھی خدا پر کوئی حق ہمارا نہیں ہوا اس واسطے کہ یہ کیفیت جو میسر ہوئی کدھر سے میسر ہوئی یہ بھی تو انھیں کا عطیہ ہے

؎ نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

تو جب نماز بھی خدا کی پھر اس سے ہمارا حق جنت میں کدھر سے ہو گیا اسکی تو ایسی مثال ہے کہ کسی نے کسی کو ایک برتن دیدیا اب وہ شخص یہ سمجھے کہ برتن دینے والا قرضدار ہو گیا کیونکہ اس نے برتن دیا ہے تو کھانا بھی اُسکے ذمہ قرض ہو گیا اور اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی کہے کہ کرتے کا بھی میں ہی مستحق ہوں کہ آپکا دیا ہوا پاجامہ پہنے ہوں۔ بہرحال یہ سب انھیں کا ہے پھر ہمارا کیا استحقاق جو نماز ہم پڑھتے ہیں وہ بھی خدا ہی نے ہمیں دی ہے تو بس کیا اس سے خدا ہمارا قرضدار ہو گیا۔ خدا تعالی نے اہل سنت کو اس غلطی سے محفوظ رکھا اس واسطے کہ جن اسباب میں استحقاق کی صلاحیت ہے وہ سب بھی تو انھیں کے ہیں کوئی شخص اپنے غلام کو سرمایہ دیتا ہے کہ یہ لیکر تجارت کرو اسمیں جو نفع ہو آدھا ہمارا آدھا تمہارا اور سرمایہ سب ہمارا۔ یہ محض لیاقت و سلیقہ سکھلانے کے لئے ایسا کرتا ہے کہ کسی طرح غلام کو اس لالچ میں تجارت آجاوے ورنہ سارا نفع و سرمایہ آقا ہی کا ہے۔ اسی طرح ہم نے جو نماز روزہ کیا اس کی توفیق ہمیں انھیں نے دی نفع بھی ان کا سرمایہ بھی ان کا مگر ہمارے خوش کرنے کو کہدیا کہ تمہارا ہے بہرحال خدا پر کسی کا حق نہیں مگر اسپر بھی کیا رعایتیں کی ہیں کہ آپ اہل حقوق کی بھی اتنی رعایت نہیں کر سکتے غرض ان کے ذمہ تو کوئی حق نہ تھا اور وہ دے رہے ہیں اور آپ پر انکے بیشمار حقوق ہیں اور پھر بھی آپ ان کی عظمت کے موافق تو کیا اُتنا بھی نہیں کرتے جتنا اپنے مجازی آقا کا کرتے ہیں۔ خدا کی طرف سے جو تنخواہ ہم کو ملتی ہے وہ اسقدر ہے کہ اندازہ نہیں ہو سکتا اور وہ تنخواہ کیا ہے ایک مثال سے سمجھئے ایک شخص کی آنکھ نہیں ہو اکثر کہتا ہے کسی کی آنکھ نکال کر

لگادی جائیگی کسی غریب فاقہ زدہ سے کہا کہ پانچسو روپے لے لو ایک آنکھ بیچڈالو وہ کہتا ہے آنکھ بھلا اتنی کم قیمت میں بیچڈالوں بھلا کم از کم ایک لاکھ تو ایک کی قیمت ہو اگر ضرورت ہے تو ایک لاکھ میں اُس کی آنکھ لیجائیگی اسیطرح تمام اعضائے بدن کی قیمت جوڑلو تو کروڑوں روپیہ ہر وقت ہمارے پاس ہے تو یہ دولت تو ظاہری ہمارے پاس ہے اور اگر دولت باطنی کو دیکھا جائے تو اُس کی قیمت کی تو انتہا ہی نہیں ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نئے شہر میں گذر ہوا دن میں دیکھا کہ شہر پناہ کا پھاٹک بند ہے لوگوں سے دریافت کیا کیوں بند ہے معلوم ہوا کہ بادشاہ کا شکاری باز اُڑ گیا ہے تو بادشاہ نے شہر پناہ کے پھاٹک بند کرادیئے ہیں تاکہ وہ باز شہر سے باہر نہ نکلجاوے انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ بھلا وہ پھاٹک سے کیوں جانے لگا اوپر سے اُڑ کر جاسکتا ہے بادشاہ بڑا ہی احمق ہے۔ حق تعالیٰ سے ناز میں عرض کیا کہ ایسے احمق کو تو سلطنت دی اور ہم ایسے عاقل پھر جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں یہ مقام ادلال و ناز کا ہوتا ہے اہل حال کو زیبا ہے اگر کوئی دوسرا حرص کرنے لگے تو کبھی کبھی جوتیاں نہ لگ جائیں جواب میں ارشاد ہوا کہ تمہاری عقل و تمیز اور فقر اُس کو اور اُس کی حماقت و سلطنت تم کو دیدوں تم راضی ہو پھر تو معذرت کرنے لگے کہ میں قیامت تک بھی اسے گوارا نہ کروں گا

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

یہ انسان کی قیمت ہے پھر کہتا ہے میں مفلس ہوں۔ افسوس تم نے اپنی قدر و قیمت خود نہیں سمجھی ادہر تو اسقدر عطا ہے کہ جس کا حد و حساب نہیں ان تنخواہوں کے بعد اگر اوسط لگایئے تو ادنیٰ درجہ ایک لاکھ ماہوار تو ضرور ہوتا ہے تو جب حق تعالیٰ ایک لاکھ ماہوار دیتے ہیں اور دوسرا پچاس روپے ماہوار دیتا ہے تو جو نسبت تنخواہوں میں ہے وہی نسبت حقوق کے ادا کرنے میں ہونا چاہیئے اب آپ ہی دیکھ لیجئے کہ آپ آقا کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے حقوق کتنے ادا کرتے ہیں آقا کے برابر تو کیا اُس سے دسواں بیسواں حصہ بھی تو ادا نہیں کرتے اور حقوق جانے دیجئے ذرا سا فرض یہ نماز ہے ایک منٹ میں ایک رکعت بخوبی ہو جاتی ہے شب و روز کے فرض و واجب کی بیس رکعتیں ہوتی ہیں اور سنن کی بارہ رکعتیں ہیں سب ملا کر بتیس ہوتی ہیں جن میں بتیس منٹ صرف ہوتے ہیں وضو کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ قابل شمار نہیں حضرت منہ ہاتھ دھونا ہمیں اللہ میاں پر کیا احسان وہ تو بے نمازی بھی دھوتے ہیں اگر کوئی کہے کہ ہم یوں منہ ہاتھ نہ دھوتے محض وضو کی وجہ سے دھو لیتے ہیں تو ایسے منحوس سے ہمارا خطاب نہیں ہمنے ایسے بھی دیکھے کہ ہفتوں منہ ہاتھ نہیں دہوتے کسی روز حاکم آگیا تو منہ ہاتھ دھو لیا تو ایسے منحوس سے خطاب کون کرے بہرحال وضو میں تو اپنی بشاشت ہے صفائی اور تبرید اعضا کو خیال سے یوں بھی

منہ ہاتھ پاؤں دھوتے ہیں تو وضو میں تو کوئی کلفت ہی نہیں جس کو شمار کیا جاوے ہاں اگر مصیبت ہے تو نماز میں خود حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ یعنی نماز گراں ہے کہ ہنسو نہیں بولو نہیں یہ نہیں کہ جدھر چاہو منہ کر کے کھڑے ہو گئے ایک ہی طرف منہ کیے کھڑے رہو اس کی وجہ سے کلفت ہے تو بہر حال شب و روز میں بتیس منٹ یعنی چوبیس گھنٹے میں تقریباً آدھ گھنٹہ کیا بہت ہے اور اگر کوئی بڑا ہی خاشع خاضع ہوا تو خیر بہت سے بہت ایک گھنٹہ صرف ہوگا ہاں اگر امامت کریں گے تو بیشک بغیر سورۂ بقر کے نماز ہی نہ ہوگی ورنہ اپنی نماز تو انا اعطینا اور قل ہو اللہ ہی سے ہمیشہ ہوا کرتی ہے اگر کہیں یہ حکم ہوتا کہ بغیر سورۂ بقر کے نماز ہی نہیں ہوگی شاید یہ لوگ تو نماز ہی نہ پڑھتے مگر ایسا حکم تو ہوا نہیں بلکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہاں تک مذہب ہے کہ ایک آیت سے فرض اور ایک آیۃ طویل یا تین آیۃ قصیر اور سورۂ فاتحہ سے واجب ادا ہو جاتا ہے مثلاً سورۂ فاتحہ کے بعد مُدْهَآمَّتٰنِ پڑھ لیا فرض نماز ہو گئی ممکن ہے کہ کوئی صاحب ہمت ایسا ہی کرنے لگیں کہ بس مدھامتان پڑھ لیا نماز تو ہو ہی جاویگی ایک منٹ میں آٹھ رکعتیں پڑھ ڈالیں تو حضرت فرض تو ادا ہو جاویگا لیکن واجب تو رہ جاویگا اسی طرح تعدیل بھی واجب ہے اور ائمہ تو فرض کہتے ہیں یہ امام صاحب ہی کا مذہب ہے اور امام صاحبؒ نے اسقدر سہولت اپنے لیئے نہیں کی یہ ساری سہولت ہمارے آپکے لیے کی تھی وہ خود تو اسقدر نماز پڑھتے تھے کہ مدتوں عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے تو یہ سہولت ہمارے واسطے ہے تاکہ کوئی بے نمازی نمازی بننا چاہے تو اُسے تنگی نہو تو یہ ہی ہماری نماز جو آدھ گھنٹہ میں سب فرض سنتیں ہو جاتی ہیں اور جو ہم میں خاشع خاضع ہیں اُن کو ایک گھنٹہ کافی ہے خیال تو کیجیے کہ اتنی بڑی تنخواہ اور کارگذاری کتنی مختصر کہ چوبیس گھنٹہ میں دو گھنٹے اور ساڑھے تیئس گھنٹہ میں عام اجازت ہے بجز گناہ کے جو چاہے کیجیے اوراسپر بھی بعضے وہ ہیں کہ کچھ نہیں کرتے اور بعضے ان سے بڑھ کر ہیں کہ خود بھی نہیں کرتے اور اوروں کو بھی نہیں کرنے دیتے اسپر ایک حکایت یاد آگئی بلوہ کے زمانہ کا قصہ ہے کہ جہاں لاشیں پڑی تھیں ایک شخص زخمی تھا زخم اتنا کاری تھا کہ اٹھکر چل نہیں سکتا تھا اتفاقاً کسی ضرورت سے ایک بنیے کا ادھر گذر ہوا اُس شخص نے آہٹ پاکر ضعیف آواز سے پکارا بنیا اس آواز سے ڈرا کہ مردہ کہاں بولنے لگا اُسنے کہا ڈرو نہیں میں زخمی ہو گیا ہوں چل نہیں سکتا ہوں تم ذرا ادھر آؤ بنیے نے کہا ہم نہیں آتے اسنے پھر کہا بھائی ذرا ادھر تو آؤ میری کمر میں ایک ہمیانی بندھی ہوئی ہے ایک ہزار روپیہ ہے میں مرجاؤں گا یہ ضائع ہو جاویگا تم اسے کھول لے جاؤ تمہارے ہی کام آویگا اب تو لالہ کے منہ میں پانی بھر آیا اُسکی طرف

حاضری کی سزا دو

بڑھیے ڈرتے ڈرتے جب قریب پہونچے تو اُس نے ٹانگ پر ایک تلوار رسید کی اور کہا کہ میاں روپیہ کہاں یہاں رات بھر اکیلے جی گھبراتا ہے میں نے خیال کیا کہ کسی آدمی کو پاس رکھنا چاہیئے ویسے تو کون رہتا اس ترکیب سے تم کو پاس رکھوں گا بنیا گر پڑا اور بڑا ناخوش ہوا اور غصہ میں کہنے لگا کہ سسرا نہ آپ چلے نہ اوروں کو چلنے دے تو آج کل بھی یہی حالت ہے کہ دین پر نہ آپ چلیں نہ اور کو چلنے دیں اگر کوئی بندۂ خدا تمام مصلحت پر خاک ڈالکر اس شعر کے مضمون کا عامل بن بھی گیا ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار بگذارند و ہمہ طرۂ یارے گیرند

اور خدا کی راہ پر لگ گیا تو وہ ان کے زعم میں پاگل ہو گیا وہ اُن کے نزدیک معاش سے محروم ہو گیا حالانکہ دیندار لوگ باوجود کم ہنری کے بھی کھانے پہننے میں ان ہنرمند دنیاداروں سے اچھے پڑے رہتے ہیں ہمارے یہاں ایک بزرگ تھے اُنھوں نے ایک عجیب لطیفہ کہا تھا کہ علم دنیا تو جب تک خاص مقدار پر نہ ہو کام نہیں آتا مثلاً بی اے ایف اے ہو تو نوکری ملے یا اس سے گھٹیا ہو تو انٹرنس ہو اور مڈل کا بالکل ذلیل درجہ ہے پھر اُس مقدار تک پہونچنا موہوم خصوصاً آج کل کی عمریں تھوڑی ہوتی ہیں پھر یہ بھی احتمال ہے خدا جانے برابر پاس ہوتے رہینگے یا فیل ہونگے مگر یہ اپنے فعل سے باز نہیں آتے خواہ نیک فعل ہو یا بد فعل سب اسی میں مبتلا ہیں اور نوکری کو بزبان حال کہہ رہے ہیں ؎ تا تو بمن می رسی من بخدا می رسم یہ تو علم معاش کی حالت ہے اور علم دین وہ چیز ہے کہ اسکی کوئی مقدار بھی بیکار نہیں آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی چنانچہ اسکے حاصل کرنے والے کے لیے کھانا کپڑا سب ہی کچھ مہیا ہو جاتا ہے علم دین اگرچہ معاش کے لئے ہے ہی نہیں لیکن اگر کسی کو اس سے معاش ہی حاصل کرنا ہو تو اُس میں جو بالکل ادنیٰ درجہ کی مقدار ہے کہ اذان یاد کرلے جو کہ پانچ منٹ میں یاد ہوتی ہے تو اُس میں بھی تو روٹیوں کی کمی نہیں گو کانپور میں نہیں ملینگی مگر کسی گاؤں میں چلا جاوے وہاں کسی مسجد میں اذان کہنا اور جھاڑو دینا شروع کردے دو چار دن میں روٹیاں ضرور ہی مقرر ہو جاوینگی اور علم معاش میں اول تو ادنے درجہ کے لئے بھی کئی برس چاہئیں اور پھر بھی نوکری کا ملنا موہوم ہے علاوہ اسکے ایک تفاوت اور ہے وہ یہ کہ ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مخاطب ہے ایمان بالتقدیر کا تو اب میں پوچھتا ہوں کہ آیا تقدیر کے مسئلہ پر ایمان ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو تجدید اسلام کی ضرورت ہے کہ ایسا شخص خارج از اسلام ہے اور اگر ہے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ بی اے ایم اے پاس کرنے پر بھی قسمت سے زیادہ نہیں ملیگا پھر کس خرافات میں مبتلا ہوئے ہو اور اگر یہ کہا جائے کہ بیشک تقدیر پر ایمان ہے مگر تقدیر کے ساتھ تدبیر بھی تو شرط ہے تو ہم کہینگے کہ ہاں شرط ہونا مسلم مگر علت تو نہیں ہے باقی شرط اور علت میں کیا فرق ہے سو فرق یہ ہے

علت پر تو معلول کا مرتب ہونا واجب ہے اور شرط پر مشروط کا مرتب ہونا واجب نہیں ہاں مشروط کے لئے شرط کا ہونا واجب ہے تو اگر تدبیر علت ہوتی تو ہم ہر تدبیر کرنے والیکو ضرور کامیاب پاتے ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں اپنی معمولی لیاقت سے بہت کچھ کما رہا ہے اور ایک دوسرا شخص ہے کہ اسکی دوگنی لیاقت ہے مگر کمانا اس سے آدھا بھی نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ علت نہیں ورنہ معلول کا اس سے انفکاک نہ ہوتا۔ اب میں ترقی کرکے کہتا ہوں کہ شرط بھی نہیں اگر شرط ہے تو مطلق تدبیر ہے نہ کہ خاص بی اے اور ایم اے بننا بس اتنا ضروری ہے کہ کوئی بہانہ ہو البتہ اس کا ہم انکار نہیں کرتے کہ کسی بہانہ میں کم ملیگا کسی میں زیادہ لیکن یہ کمی بیشی ذرائع میں ہے باقی مقصود ممکن ہے کہ کم ذرائع والا مقصود میں زیادہ کامیاب ہو اور زیادہ ذرائع والا مقصود میں کم رہے ایک نواب صاحب کی حکایت ہے کہ صرف دو تولہ گوشت کا قلیہ بجائے غذا کے کپڑے میں پوٹلی بناکر چوسا کرتے تھے انہوں نے ایک بار ایک لکڑہارے کو دیکھا کہ دوپہر کے وقت سایہ میں پہونچکر بوجھ پھینکا ایک روٹ کپڑے میں سے کھولا اور ایک گنٹھی پیاز کے ساتھ کھا پی کر وہیں لیٹ کر خراٹے لینے لگا نواب صاحب کہتے تھے کہ میں راضی ہوں کہ میری نوابی اسے اور اس کی صحت مجھے دیدی جائے۔ تو دیکھئے کثیر الذرائع شخص ان ذرائع کو مقصود سے بدلنے پر رضامند ہو رہا ہے اور اگر یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں تو خیر خود ہی مبتلا رہو مگر دوسروں کی کیوں راہ مارتے ہو یہی غنیمت سمجھو کہ ہم تمھیں عربی پڑھنے کو نہیں کہتے آپ کو عربی خوانوں کی ہمدردی کا بڑا جوش ہے کہ یہ بھی انگریزی پڑھیں اور تعجب ہے کہ کیوں انگریزی نہیں پڑھتے اور اس کا سبب کم ہمتی قرار دیتے ہیں میں کہتا ہوں آج کل عربی پڑھنا بڑی عالی ہمتی کی بات ہے کیونکہ عربی کی آجکل سخت ناقدری ہے اور بظاہر کوئی دنیوی غرض بھی اس سے پوری نہیں ہوسکتی پھر بھی جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ کے عالی ہمت اور دلی ہیں کہ رضا اور قرب حق کے لئے وہ اپنی دنیا چھوڑے ہوئے اور ہر قسم کے طعن وتشنیع سننے کے لئے آمادہ ہیں۔ تو انکی قدر کرنا چاہیئے نہ کہ تحقیر علاوہ اسکے میں ان حضرات مصلحین سے حیثیت اسلام سے پوچھتا ہوں کہ آیا علماء کا قوم کے لئے ہونا ضروری ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو اس کا قایل ہونا پڑیگا کہ پھر اسلام کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ بدون علماء کے اسلام قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ کوئی پیشہ بدون اسکے ماہرین کے چل نہیں سکتا یہ اور بات ہے کہ تھوڑی بہت معلومات دینی سب کو ہوجائیں اور اس سے وہ محدود وقت تک کچھ ضرورت رفع کرلیا کریں مگر اس سے اس مقدار ضرورت کا بھی بقا نہیں ہوسکتا تھا کسی شے کا ہمیشہ اسکے ماہرین سے ہوتا ہے تو ماہرین علماء کی ضرورت ٹھیری پھر یہ ماہرین کیسے پیدا ہوں سو تجربہ سے انکی صرف یہی صورت ہے کہ ساری قوم پر واجب ہے کہ چندہ سے کچھ سرمایہ

جمع کرکے علمار کی خدمت کرکے آیندہ نسل کو علوم دینیہ پڑھائیں اور برابر یہی سلسلہ جاری رکھیں سو عقلاً تو یہ بات واجب تھی کہ ساری قوم اسکی کفیل ہوتی مگر ایک طالب علم بیچارہ نے اپنا ذوق آپ پورے معاف کیا اور اپنے ہی اوپر مصیبت جھیل کے تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہوا تو چاہیئے تو یہ تھا کہ آپ اسکی قدر کرتے بجائے اسکے اور رہزنی کرتے ہیں کہ عربی پڑھوگے تو کھاؤگے کیا۔ کیا مسجد کی مینڈھے بنوگے ہاں صاحب دنیا کا کتا بننے سے اچھا ہے۔ ریاست رامپور میں ایک ڈپٹی کلکٹر کو بچہ کو انگریزی پڑھانے کی رائے دی انہوں نے کہا کہ قرآن شریف ختم ہوجاوے تو پڑھاؤنگا اور معلوم ہوا کہ دو سال میں نصف ہوچکا ہے نصف باقی ہے تو وہ صاحب کیا فرماتے ہیں کہ دو سال تو ضائع گئے اور دو سال کیوں ضائع کرتے ہو یہ حالت رہگئی ہے مسلمانوں کی یہ کیا اسلام ہے انا للہ چاہیئے تو یہ تھا کہ اگر کوئی تحصیل علوم دینیہ کی طرف توجہ نہ کرتا تو تمام قوم کا فرض تھا کہ خوشامد کرکے کچھ لوگ اسکے لئے تیار کرتے افسوس اب تو کیفیت یہ ہے کہ خود تو کیا تیار کرتے دوسروں کو تیار ہونے سے روکتے ہیں یہ سب علامات اسکی ہیں کہ آپکو خدا سے تعلق نہیں ہاں خدا کو البتہ تم سے تعلق ہے اپنے دلوں کو ٹٹول لو تمہیں خود معلوم ہوجاویگا کہ خدا سے تعلق نہیں رہا۔ خدا کو آپ سے تعلق ہونے کی دلیل ایک تو انکے انعامات ہی ہیں دوسرے ایک جگہہ ارشاد بھی ہے و نحن اقرب الیہ من حبل الورید اور خدا کا قرب یہی قرب علمی و قرب رحمت ہے اور انتم اقرب الینا نہیں فرمایا اگر کوئی کہے کہ قرب و بعد تو امور نسبیہ متکررہ مشترکہ میں سے ہیں یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ انھیں ہم سے قرب ہو اور ہمیں ان سے بعد ہو جواب یہ ہے کہ قرب حسی بالمعنے اللغوی بیشک ایسا ہی ہے اور یہاں تو قرب بمعنے توجہ کے ہے سو............ خدا کا قرب الی العبد من حیث التوجہ قرب عبد الی اللہ من حیث التوجہ کو مستلزم نہیں پس وہ اشکال مرتفع ہوگیا خلاصہ یہ ہوا کہ وہ تو ہم سے قریب ہیں یعنی متوجہ ہیں اور ہم ان سے بعید ہیں یعنی ہمیں انکی طرف توجہ نہیں۔ بالکل قلب موضوع ہے جو انکو حق پہونچتا تھا ہمنے کر رکھا ہے جو ہمیں زیبا بلکہ ضروری اور فرض تھا وہ انھوں نے کر رکھا ہے اور اگر ہم میں سے کسیکو توجہ بھی ہے تب بھی اگر بے تعلقی نہیں تو کم تعلقی تو ضرور ہے پس مسلمانوں کی ساری خرابیوں کا حاصل یہ ہے اگر یہ دور ہوجاوے تو ہماری تمام حالتیں درست ہوجاویں اس واسطے کہ خدا تعالی کی عادت مسلمانوں کے لیے یہ جاری ہے کہ انکی دنیا ان کے دین کے ساتھ وابستہ ہے شاید کسی کو شبہ ہو کہ دیندار مسلمانوں کے پاس دنیا کم دیکھتے ہیں اور غیر دیندار مسلمانوں کے پاس زیادہ تو سمجھ لو کہ دنیا مال و دولت کا نام نہیں روح دنیا کچھ اور ہی ہے اور وہی دنیا سے مقصود ہے پس دنیا درحقیقت وہ ہے اور وہ راحت قلب ہے چنانچہ اگر ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ بھی ہو اور جائداد بھی ہو ہر طرح کا سامان عشرت

بھی بسیا ہوا ور اسکے ساتھ ہی اُسے یہ بھی معلوم ہو کہ آج کے چوتھے روز مجھے پھانسی دیدی جائیگی اب فرمائیے کیا اُسے اس دولت سے خوشی ہوگی کیا اُسے اس سامان عشرت سے لطف میسر ہوگا کیا اُسے لذیذ کھانوں میں حظ آئیگا کیا اُسے عالیشان کوٹھی میں راحت ملیگی۔ کیا خاک راحت ملیگی کیا خاک لطف و حظ آئیگا۔ اس وقت دنیا اُس کی آنکھوں میں اندھیر ہوگی یہ سب کیوں. محض اسلیئے کہ اُسکے قلب کو راحت میسر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ اصل اور روح دنیا کی راحت ہے محض مال و دولت سے کچھ نہیں ہوتا اور میں بقسم کہتا ہوں کہ حقیقی راحت اہل اللہ کو میسر ہے اگر آپکو یقین نہ آئے تو اُن کے پاس رہکر دیکھ لیجئے جنپر آپکو رحم آرہا ہے کہ ہائے اسکے کپڑے پھٹے ہوئے ہوئی ہیں جوتا ٹوٹا ہوا ہے اگر یہ شخص دیندار ہے .... تو واللہ یہ شخص راحت میں ہے اور نافرمان امیر اسکے مقابلہ میں مصیبت میں ہے

اور واقعی خدا کے نافرمانوں کو کسی وقت چین نہیں ہے اور اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ حوادث انسان کے اختیار میں نہیں ہوتے ایک مقدمہ یہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ کہ زیادہ حوادث طبیعت کے خلاف ہوتے ہیں پس جب ناگوار اور خلاف طبیعت امور پیش آتے رہیں گے تو چین کیونکر میسر ہوگا روپیہ بہت ہے مگر کیا کریں کہ کہیں نیند نہ آنے کی شکایت ہے کہیں معدہ کمزور ہے عمدہ غذا نہیں کھاسکتے کبھی زکام ہے کبھی کھجلی ہے کبھی بخار ہے حالت غور کر کے دیکھئے تو آرام سے بیٹھنا میسر نہیں ہوتا بیٹھے ہیں خبر آئی کہ بھانجا بیمار ہے یا بیٹے کو بخار ہے غرض زیادہ حوادث ایسے ہی ہوتے رہتے ہیں جو پریشان کرنے والے ہیں تیسرا مقدمہ یہ کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ واقعات رک جائیں یا خلاف طبع نہ رہیں اگر اس کی تدبیر کی کوئی صورت ہے تو صرف یہ ہے کہ مزاج کو ایسا کرے کہ کوئی واقعہ خلاف مزاج نہ رہے اور مزاج ایسا کس طرح ہوسکتا ہے۔ سو وہ ٹوٹے پھوٹے بوریوں میں اور تنگ و تاریک حجروں میں ہوسکتا ہے اور وہ کیا چیز ہے جو ان حجروں میں بیٹھنے سے ملتی ہے وہ محبت و معرفت ہے اسکو ایک مثال سے سمجھئے اگر کوئی شخص کسیکو پیچھے سے ایک دھول مارے تو کتنا غصہ آئیگا اتفاق سے یہی شخص کسی عورت پر فریفتہ ہوگیا اُسنے بھی ایسا ہی کیا جب تک اُس کو دیکھا نہ تھا تغیر ہوا تھا مگر دیکھا تو محبوبہ پس اس دھول پر نثار ہوجاویگا کہ ایسی کہاں میری قسمت اور بزبان حال کہے گا ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من　　دل فدائے یار دل رنجان من

بھلا اُسکے ہاتھ سے تو بڑی بات ہے محبوب کے معاملہ میں جو تکلیف پیش آتی ہے وہ تک ناگوار نہیں ہوتی ایک شخص کو کسی کے عشق میں اُسکے ورثہ نے سو کوڑے مارے ننانوے میں تو ہنستا رہا اور اخیر کے ایک کوڑے میں رو دیا لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے اُسنے کہا کہ ننانوے میں تو میرا محبوب بھی

شہر یک تماشا تھا اور اجمیر کے چابک میں وہ چلا گیا تھا۔

بجرم عشق تو ام میکشند غوغائیست ۔۔۔ تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشائیست

یہ درخواست کہ تو نیز برسر بام آ ایس اسی واسطے ہے کہ خالی محبوب کے دیکھنے سے بھی تکلیف کی ناگواری جاتی رہتی ہے اسکی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیئے حق تعالی فرماتے ہیں وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا کہ آپ قضاو قدر کے حکم پر صبر کیجیئے کیونکہ آپ ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں

ہمینم بس کہ داند ماہرویم ۔۔۔ کہ من نیز از خریداران اویم

بس عشق اور معرفت درد کو کھو دیتا ہے محبت و معرفت عجب چیز ہے جو واقعہ محبوب کی طرف سے پیش آئے وہ ناگوار ہی نہیں ہوتا۔ از محبت تلخہا شیریں شود۔ غرض مزاج کو ایسا بنانے والی چیز محبت و معرفت ہے اسکا خاصہ ہے کہ قلب کے اندر نور پیدا ہو جاتا ہے کہ جس سے بجز محبوب کوئی چیز نظر نہیں آتی اور یہ دو چیزیں ہیں ایک محبت ایک معرفت دونوں کی حقیقت الگ الگ ہے معرفت سے تو یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اُدھر سے ہوتا ہے اور محبت اُسے خوشگوار بنا دیتی ہے معرفت کے باب میں شیخ فرماتے ہیں گلستان میں ؎

از خدا دان خلاف دشمن و دوست ۔۔۔ کہ دل ہر دو در تصرف اوست

؎ در ہیں نوعے از شرک پوشیدہ ہست ۔۔۔ کہ زیدم بیازرد و عمروم بخست

یعنی زید و عمرو کیطرف منسوب کرنا بھی ایک قسم کا شرک ہے جب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا پوچھا گیا ہمارے دربار میں کیا لائے اس سوال سے بہت شرم آئی کہ کیا عمل بتادوں کہ کیا لایا ہوں اپنے نزدیک بے غبار جواب سمجھ کے عرض کیا کہ توحید لایا ہوں کیونکہ یہ تو ادنی شرط اسلام ہے اسکے عرض کرنے میں کوئی دعوی نہیں ارشاد ہوا کہ اما تذکر لیلۃ اللبن وہ رات بھی یاد ہے جب کہا تھا کہ دودھ سے درد ہو گیا کیا منہ لیکر دعوی توحید کا کرتے ہو دودھ کو فاعل ٹھیرا چکے ہو کانپ اٹھے عرض کیا یا الٰہی سوائے اعتراف خطا و قصور کے اور کچھ نہیں لایا بس ایک جرح میں رہ گئی یہی توحید ہے جو معرفت کے کامل ہونے سے کامل ہو جاتی ہے پھر تو یہ حالت ہو جاتی ہے

موحد چہ برپائے ریزی زرش ۔۔۔ چہ فولاد ہندی نہی برسرش

امید و ہراسش نباشد ز کس ۔۔۔ ہمیں ست بنیاد توحید و بس

وجہ یہ کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ لوگ کر رہے ہیں کوئی اور ہی ان سے کرا رہا ہے میں نے ایک ہمند و ق

دیکھا ایک دیہاتی بڑھئی بنا کر لایا تھا اُسکے ڈھکنے کے اوپر لکڑی کی پتلیاں تھیں صندوق کے اندر اُس کی مشین تھی ایک تار ہر پتلی میں لگا ہوا تھا جب کوک دیجاتی تھی تو سب پتلیاں حرکتیں کرنے لگتی تھیں کوئی موسل سے کوٹتی تھی کوئی چھاج سے پھٹکتی تھی کوئی عورت چکی چلاتی تھی کوئی چرخہ کاتتی تھی ایک آرہ چلا رہا تھا غرض جتنی پتلیاں اتنی حرکتیں اور ایک کنجی سے ساری حرکتیں ہوتی تھیں اسی طرح دنیا میں جو کچھ کرتے ہیں انکی حرکت خود بخود نہیں ہے کسی اور نے وہ حرکت دی رکھی ہے جب عارف کی نظر تیز ہو جاتی ہے تو اسی تحریک کے مشاہدہ کے سبب زید و عمرو پر نظر نہیں پڑتی یہی وجہ ہے کہ بجائے اسکے کہ کسی پر غیظ آوے وہ حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ دوسرا تصرف فرمادے حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ تارک سلطنت ہیں ایک مرتبہ جہاز میں سوار ہوئے جہاز پر کسی امیر کے یہاں روزانہ نقلیں ہوا کرتی تھیں نقالوں نے ایکروز درخواست کی کہ اگر کوئی غریب آدمی میسر ہو جاوے تو اُس سے دھول دھپا کریں اور نقل کا لطف بڑھے تمام جہاز میں کسی اور پر تو دست اندازی کی جرأت نہوئی مگر حضرت ابراہیم ادھم رح کو غریب سمجھکر اس کام کے لیے منتخب کرکے لے گئے

این چنیں شیخے گدائے کو بکو | عشق آمد لاابالی فاتقوا

غرض انھیں مجلس میں لے گئے انپر یہ مشاہدہ غالب ہے کہ یہ لوگ خود نہیں کھینچ رہے ہیں ان سے کوئی اور ہی کھنچوا رہا ہے ہم انھیں کے ہیں وہ جس حالت میں رکھیں راضی ہیں

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو | دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اب کوئی دھول لگا رہا ہے کوئی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے یہ اس طرح خاموش کہ گویا حس ہی نہیں جب دیر ہو گئی تو عادۃ اللہ ہے کہ

حلم حق با تو مواسا کند | چونکہ از حد بگذری رسوا کند

ایک دفعہ غیرت باری کو جوش آیا ارشاد ہوا اے ابراہیم انکی گستاخی حد سے بڑھ گئی۔ کہو تو سب کو غرق کردوں یہ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ غرق کرنے کی جگہہ ان کو آنکھیں ہی نہ دیدیجیے اور اس خرافات سے نکال ہی نہ لیجیے سبحان اللہ یہ ہے اتباع سنت جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا ہے تو حضور جناب باری میں عرض کرتے ہیں اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر دے کہ یہ جانتے نہیں ملا دو پیازہ نے ایک سال نامہ لکھا ہے اسمیں لکھا ہے کہ از رسول خیر خواہ دشمناں۔ تو واقعی حضور خیر خواہ دشمناں ہی ہیں بہرحال حضرت ابراہیم ادھم رح نے اُن کا غرق

ہونا گوارا نہ کیا تو یہ کیا بات ہے کیوں نہیں غیظ ہوتا یہ اثر معرفت کا ہے اسی پر شیخ شیرازی فرماتے ہیں

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خوے — چو بگذشت بر عارف جنگجوے
گر ایں مدعی دوست بشناختے — بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

یعنی اگر اس کو دوست کی معرفت ہوتی تو دشمن سے لڑنے کی فرصت ہی نہ ہوتی اب معلوم ہوتا ہے کہ فرصت ہے یہ لڑائی اُسے ہی زیبا ہے جسے دوست کا مشغلہ نہ ہو ورنہ ؎

دیدہ از دیدنش نگشتے سیر — ہمچناں کز فرات مستسقی

کیا یہ تھوڑا کام ہے اسے فرصت کہاں ملسکتی ہے غرض یہ اثر تو معرفت کا ہے کہ یہ حادث واحد حقیقی کے تصرف سے ظاہر ہوا ہے اور زید و عمر واسطہ محضہ ہیں اور محبت سے یہ ہوتا ہے کہ اُس واقعہ کی ناگواری اُڑجاتی ہے سو دونوں ہی کی ضرورت ہے کیونکہ نری معرفت ہو اور محبت نہو تو سب سے زیادہ دریائے ہلاکت میں ایسا عارف ہی ڈوبے گا مثلاً کوئی مرگیا تو عارف صاحب جانتے ہیں کہ خدا نے مارا طاعون نے نہیں مارا پس اگر محبت نہونے کے سبب یہ واقعہ ناگوار ہوا تو یہ عارف بجائے طاعون کے خدا کی شکایت کریگا تو نری معرفت ہلاکت ہے یہ خدا کی رحمت ہے کہ اہل اللہ کی صحبت میں دونوں باتیں میسر ہوجاتی ہیں تو صحبت کے بعد جبکہ معرفت و محبت دونوں دولتیں عطا ہوگئیں تو اب جو واقعہ پیش آئیگا معرفت کے سبب خلق سے ناگواری نہو گی اور محبت کے سبب خالق سے ناگواری نہو گی چاہے کتنا ہی عظیم حادثہ ہو مگر یہ خوش ہیں کہ ع ہر چہ از دوست می رسد نیکوست ۔ حقیقی آسایش اسے کہتے ہیں مصیبت سے اور لوگ گھبراتے ہیں اور یہ ہنستا ہے خوش ہوتا ہے اجی اور تو اور موت جو کہ تمام مصیبتوں کا منتہا کل ہے اور جس سے سب لوگ گھبراتے ہیں حتی کہ بعض سلاطین نے اپنے قلعہ میں خضر دروازہ ایک ایسے دروازہ کا نام رکھا تھا جسمیں سے خاندان شاہی کے جنازوں کو نکالا جاتا تھا تو موت کا نام لینے سے گھبراتے تھے کسی لڑکی نے ایک بڑھیا کو کہا کہ مرتی بھی نہیں تو اُس بڑھیا نے ایک اپنی ساتھن سے جاکر شکایت کی کہا کہ سُنا بھی کہ فلاں مجکو یوں کہتی تھی کہ اے بڑھیا تو یوں ہو جا پھر وہ بڑھیا کیا کہتی ہے اے اللہ میاں سُنیو مت ۔ کمبخت ۔ احمق اگر اللہ میاں یہ تیری سنینگے تو وہ اُس کی بھی سنینگے ۔ ورنہ یہ کہاں سے سنینگے تو موت سے بڑھیاں بھی گھبراتی ہیں غالباً مولانا جامیؒ نے لکھا ہے کہ ایک بڑھیا کی لڑکی جس کا نام مہستی تھا بہت بیمار تھی جب اسکی حالت زیادہ غیر ہوئی تو بڑھیا نے رو رو کے دعا کی کہ اے اللہ اسے اچھا کر دے اور اسکے بدلے مجھے موت دیدے ایک دن شام کے وقت اسکی گائے کسی امیر کے باورچیخانہ میں جا گھسی اور ایک پتیلہ میں منہ ڈالدیا پھر نکال نہ سکی اُسی ہیبت سے وہ اپنے گھر آگئی بڑھیا نے اس ہیبت سے

کبھی اسکو دیکھا نہ تھا سمجھی کہ میری دعا قبول ہوگئی اب یہ عزرائیل آ گئے بس گھبرا کے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہتی ہے اے موت یہ ہے اسے لے جاؤ ؎

گفت اے موت من نہ مہستی ام ۔ ہیچہ زال غریب محنتی ام

غرض لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی دیکھ یہ ہے میں نہیں ہوں موت کا نام آتے ہی بس بیٹی کی محبت فنا ہوگئی ۔ ہمیں کا نپور میں ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا۔ ایک لڑکے کو سرسام ہوگیا تدبیریں کی گئیں کچھ افاقہ ہوا لوگ یہ سمجھے کہ مرگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آگیا ماں سمجھی کہ بھوت ہوگیا تو اب اسکے لئے تعویذ گنڈے کراتی پھرتی ہے کہ کسی طرح مرجاوے اگر کسی موقع پر مردہ اہل مجلس کو مخاطب کر کے السلام علیکم کہدے تو سب ڈر کے مارے بھاگ جاویں تو یہ موت جو کہ لوگوں کے نزدیک اتنی بڑی مصیبت ہے کہ راس الکل ہے تمام مصائب کی مگر اس کی حقیقت ان عارفین محبین کے نزدیک کیا ہے یہ ہے کہ اسکے شوق و تمنا میں عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم ۔ راحت جاں طلبم وزپے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آید روزے ۔ تا در میکدہ شاداں وغزلخواں بروم

حقیقتاً خرم ہی نہیں منت بھی مانتے ہیں کیا ٹھکانا ہے انکے نزدیک یہ موت کی حقیقت ہے کہ تمنا کرتے ہیں شاید کوئی کہے کہ یہ فرصت کی باتیں ہیں مرتے وقت یہ حالت رہے تو جانیں اس وقت تو نانی یاد آتی ہوگی تو لیجیے ایک بزرگ عین حالت نزع میں مسرور ہو کر فرماتے تھے ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم ۔ جسم بگذارم سراسر جاں شوم

خوش ہو رہے ہیں کہ الحمد للہ اس جیلخانہ سے چھوٹنے کا وقت آگیا بلکہ انکی مسرت کی تو یہ کیفیت ہے کہ بعض بعض سے بطور خرق عادت تو بعد موت بھی مسرت کے آثار ظاہر ہوئے ہیں یا قرائن سے مسرت بعد الموت کا پتہ لگتا ہے چنانچہ ایک بزرگ نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کے ساتھ یہ شعر پڑھتے چلیں

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو ۔ شیئاً للہ از جمال روئے تو

دست بکشا جانب زنبیل ما ۔ آفریں بر دست و بر بازوئے تو

آخر کیا بات ہے اور میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ جب سلطان نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ لے کر چلے تو ان کے ایک عاشق زار کی زبان سے شدت غم میں بیساختہ نکلا ؎

سرو سیمینا بصحرا می روی ۔ سخت بیمہری کہ بے ما میروی

اے تماشا گاہ عالم روئے تو ۔ تو کجا بہر تماشا میروی

تو لکھا ہے کہ کفن میں سے آپ کا ہاتھ اونچا ہوا جیسے وجد میں ہوتا ہے۔ لوگوں نے انھیں پڑھنے سے روکا تو مرنے کے بعد بھی یہ حالت ہوتی ہے اسکی وجہ کیا ہے صرف یہ ہے کہ مرنے کے وقت کو وہ زمان وصال سمجھتے ہیں اسلئے اُس کی تمنا کرتے ہیں جیسے جامیؒ فرماتے ہیں ؎

چہ خوش وقتے وخرم روزگارے | کہ یارے برخورد از وصل یارے

ایک بزرگ طاعون کو خطاب فرماتے ہیں خذنی الیک اس موقع پر مجھے عراقی کا شعر یاد آتا ہے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت | سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

پس موت کے سامنے اُن کی یہ حالت ہے معرفت و محبت یہ چیز ہے خلاصہ یہ کہ جس کو حق تعالیٰ سے تعلق ہے اُس کو دنیا میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ اور آخرت میں تو علاوہ صادقہ جنت کا اور اگر جنت بھی چند روز تک ہو تکلیف نہ ملے تب بھی آخرت کی تکلیف مؤمن کے لئے دنیا کی راحت سے افضل ہے کیونکہ اُس تکلیف کے انقطاع کی ہر وقت یقینی امید اور یہاں کی راحت کے زوال کا ہر وقت یقینی خوف۔ اور ان مضامین کا اکثر حصہ حال ہے سمجھ میں آسکتا ہے نرے قال سے نہیں یوں تو طوطا بھی بنی جی بنی جی سیکھ لیتا ہے مگر جب بلی آکر دبائے تو ٹاں ٹاں ٹاں۔ اور حال میسر ہوتا ہے اہل حال کی صحبت میں پس اسکا بھی اہتمام کرو لوگ کہتے ہیں اب اس شان کے بزرگ نہیں رہے تو کسکی صحبت اختیار کریں سو یہ خیال بالکل غلط ہے ایسے بندگان خدا اب بھی موجود ہیں لیکن ایک دن میں نظر نہیں آسکتے اگر کسی کی آنکھ آج بنی ہو تو نظر ضعیف ہو گی کہ تھوڑی دور کی چیزیں دکھائی دینگی چار دن کے بعد اور آگے نظر آئیگا۔ تو نظر تو ہے مگر اول دن اس لئے نظر نہیں آتا کہ ضعیف ہے۔ ہاں سرمہ ہو تو نظر آوے وہ سرمہ بھی اُنھیں کی صحبت میں ہے کہ جس سے نظر آجاوے گا مگر مشکل تو یہ ہے کہ لوگ دیکھتے ہیں رسوم کو اور محققین کے یہاں نہ لمبے کپڑے ہوں گے نہ ایسی موٹی تسبیح ہو گی کہ ہتھیار کا کام دے جیسا ایک شاہ صاحب کہتے تھے کہ تسبیح ایسی تو ہو کہ لاٹھی کا کام دے غرض اُنکے یہاں تو کوئی گنبد دار مزار ہے نہ رسوم ہیں کہ نیاز ہو رہی ہے عرس ہو رہا ہے یہ کچھ بھی نہیں بس ایک چیز ہے کہ ع یکے دان ویکے خوان ویکے بین بہ اُن کا یہ مذہب ہے ؎

خلیل آسا در ملک یقیں زن | نوائے لا احب الآفلین زن

اُنکے یہاں اور تو کوئی کیا چیز ہوتی وہ خود بھی نہیں رہتے

بحال تہی دست باید گریستن | کہ تا نقد دل ہم بہ چنگے ندارد

اور وہ اپنی ہستی کیسے نہ مٹاتے جبکہ اُنپر محو کرنے والی تجلی ہو رہی ہے جسکی خاصیت ہی یہ ہے

چو سلطان عزت علم برکشد | جہاں سر بجیب عدم درکشد

اگر آفتاب ست یک ذرہ نیست　　　دگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

تو اگر صحیح شناخت ہو تو اللہ کے بندے ایسے ایسے نظر آویں گے کہ اُن کی صحبت میں تمہاری نگاہ بنیر ہو جاویگی اُن کی صحبت اختیار کرو تو کھلی آنکھوں نظر آجائیگا کہ معرفت و محبت کیا چیز ہے اور یہ کہ حقیقی آسایش اہل معرفت و محبت ہی کو حاصل ہے انھیں کی شان میں ہے ؎

بہیں حقیر گدایانِ عشق را کایں قوم　　　شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

اور یہ امر واقعی ہے نری شاعری نہیں ہے یہ انکی حالت ہے مشاہدہ کر لو انکے اقوال و افعال میں واقعات کے وقت غور کرو کہ انکی کیا کیفیت ہے ہر وقت اُن کا مذہب یہ ہے ؎

سوئے نو میدی مرو کامیدہاست　　　سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

دنیا دار کا ایک ذرا سا بچہ بیمار ہو جاتا ہے تو تیمار دار بدحواس ہو جاتے ہیں وہاں سب کے سب اگر فدا ہو جائیں تو بھی کچھ پروا نہیں ایک غزوہ میں ایک بی بی کے شوہر اور بچے باپ سب کام آگئے کسی نے کہا کہ تمہارا باپ بھائی بچے سب مارے گئے تو وہ کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سلامت ہیں کہا ہاں کہنے لگی جب آپ سلامت ہیں تو مجھے کسی کے کام آنے کی کچھ پروا نہیں ؎

فان ابی و والدتی و عرضی　　　لعرض محمد منکم وقاء

مولانا فرماتے ہیں ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست　　　تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کو کسقدر قلق ہوا کہ ہم میں سے اگر کسی کو اس درجہ کا قلق ہو تو دیوانہ ہو جائے مگر خدا کے زندہ رہنے کے مضمون سے تسلی ہو گئی۔ جب آپکی وفات ہوئی ہے تو حضرت عمرؓ کمال حزن میں فرما رہے تھے کہ اگر کوئی کہے گا کہ وفات ہو گئی تو قتل کر دوں گا حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ آیت پڑھکر سنائی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تو حضرت عمرؓ کی تسلی ہو گئی اور فرمایا کہ میں اسقدر اس آیت کو بھولا ہوا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی نازل ہوئی ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی مگر خدا زندہ ہے مجھے صحابہؓ کی اس حالت پر ایک حکایت یاد آئی میرے ایک دوست ہیں ہم وطن بھی ہیں بہت ہی خوف زدہ ہو کر اپنی حالت بیان کرنے لگے کہ مجھے جتنی حق تعالے سے محبت ہے اتنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں۔ میں نے کہا کچھ پریشانی کی بات نہیں کہ تمہاری یہ حالت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے تم بالکل متبع سنت ہو کہ محمدؐ کو خود محمدؐ سے اتنی محبت نہ تھی جتنی خدا سے تھی شگفتہ ہو کر

دعائیں دینے لگی صحابہ کی بھی یہی کیفیت تھی تو حضرت اتنی بڑی واقعہ پر صحابہ کا صبر کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ حی لایموت تو ہے اسی سے انھیں غم مہلک نہیں ہوا یہ قابل نہیں ہوا۔ خدا تعالیٰ نے اسباب مصیبت کا ایک معالجہ بھی کیا ہے یعنی جب کوئی حادثہ پیش آئے تو صبر وسکون کا علاج بتلاتے ہیں اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ دو کی تعلیمیں عنایٰ ہیں ایک خواص کے لیئے اور ایک عوام کے لیئے انا للہ ہم خدا کے ہیں یہ خواص کے لیئے ہے کہ جب اپنے کو خدا کا سمجھیں گے تو اس کے ہر تصرف کو خوشی سے گوارا کریں گے وانا الیہ راجعون اور ہم اسی کی طرف لوٹیں گے یہ دوسروں کے لیئے ہے اس طرح سے کہ جب سب وہاں جارہے ہیں تو سب جمع ہو کر ملجاوینگے وہ شخص مفقود بھی ملجاویگا جیسا اگر کسی کا کوئی عزیز حیدرآباد میں وزیر اعظم ہو جاوے تو تم آیا یہ چاہو گے کہ وہ ہمارے پاس چلا آئے یا یہ چاہو گے کہ ہم بھی وہیں پہونچ جائیں۔ بس یوں سمجھو کہ جو مرا وہ حیدرآباد پہونچا۔ ہمارے حضرت رحمہ کے پاس ایک بڈھا آیا کہ حضرت دعا فرمادیجئے بیوی بہت بیمار ہے جاں بلب ہے۔ تندرست ہو جاوے۔ فرمایا کہ بھائی مرتی ہے مرنے دو خدا کا شکر کرو کہ ایک مسلمان جیلخانہ سے چھوٹتا ہے۔ جہاں وہ جاتی ہے تم بھی پہنچ جاوگے۔ میں نے کہا لو! بڑے میاں آئے تھے بیوی کو بچانے اپنے مرنے کی بھی بشارت لے چلے۔ لو اور آؤ دعا کرانے۔ پھر کہنے لگا حضرت اگر وہ مر جائیگی تو میری روٹی کون پکا ئیگا فرمایا ہاں جی وہ ماں کے پیٹ سے روٹی ہی پکاتی تو آئی تھی۔ اللہ اکبر ہر امر میں حقیقت پر نظر تھی غرض جب نظر معرفت کی کامل ہو جائیگی پھر پریشان ہو سکی بلا تہر حال یہ آثار تھے تعلق کے اور بے تعلقی کے کہ بے تعلقی سے دونوں جہان کی مصیبتیں والسة ہیں افسوس ہے کہ اسکے بعد بھی فکر نہو۔ اور اگر فکر ہے تو سنو حق تعالیٰ اسی کا طریق بتلاتے ہیں بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ بلی میں رد ہے اہل باطل کے ایک غلط دعوی کا کہ جسکے متعلق رد سے پہلے ارشاد ہے تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ یہ ان کی آرزوئیں ہیں دعوی یہ تھا کہ ہم ہی جنت میں جاویں گے پہلے اس کو اسطرح رد فرمایا کہ تلک امانیھم یہ انکی آرزوئیں ہیں کہ ہمارے سوا اور لوگ جنت میں نہیں جاویں گے آگے ارشاد ہوا بلی یعنی کیوں نہیں جاویں گے پھر اسکی دلیل قاعدہ کلیہ کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ الخ جو شخص سپرد کر دے اپنی وجہ یعنی ذات کو خداوند تعالیٰ کے لیئے اس حال میں کہ وہ محسن ہو اُن کا۔ اجر اللہ کے پاس ہے نہ انپر خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے یہ ترجمہ ہوا یہاں پر حق تعالیٰ نے اس عمل منجی کو اسلام سے تعبیر فرمایا اسکی تفصیل سمجھنے کے بعد معلوم ہو گا کہ وہ کیا چیز ہے سو ہمارے روشن خیال حضرات کے نزدیک

اُسکی حقیقت ایسی چیز ہے کہ نہ اسمیں کچھ مامورات ہیں نہ منہیات اُنکی کیفیت یہ ہے کہ ان کو کسی منہی عنہ سے منع کرو تو کہتے ہیں کیا اس سے ایمان جاتا رہا مولویوں نے خواہ مخواہ تنگی کر دی ہے اجی اسلام بہت وسیع چیز ہے وہاں ایسے ایسے افعال کا کیا اثر بس لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہو گئے اور اسلام کامل ہو گیا نہ کسی فعل سے اسمیں نقصان آتا ہے نہ کسی عقیدہ سے اسمیں خلل آتا ہے اسکے لیے ایک حدیث یاد کر رکھی ہے من قال لا الٰہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ سبحان اللہ اچھا سند نکالا کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا بس کافی ہے اب اور اعمال کی کیا ضرورت۔ بیشک حدیث صحیح ہے مگر جو مطلب آپ سمجھے وہ اسکا مطلب ہی نہیں اس کا مطلب ایک دیہاتی مثال میں سمجھیے۔ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرے قاضی پوچھے تم نے قبول کی وہ کہے قبول کی لیجیے نکاح ہو گیا یہ میاں یوں سمجھے کہ عورت ہاتھ آئی خوب چین کرینگے یہ خبر نہ تھی کہ تھوڑے دنوں میں لدنا پڑیگا جسکی حقیقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کسی کے پوچھنے پر خوب فرمائی ہے سرور شہر ایک مہینہ کی خوشی پھر پوچھا ثم ماذا یعنی پھر کیا ہوتا ہے فرمایا لزوم مہر یعنی مہر لازم ہو جاتا ہے۔ پوچھا ثم ماذا فرمایا غموم دہر یعنی تمام زمانہ کے رنج و غم۔ پھر پوچھا ثم ماذا فرمایا کسر ظہر یعنی کمر ٹوٹ جاتی ہے غرض میاں ایک ماہ نوشہ رہے خوب عزت رہی دعوتیں ہوائیں اُسکے بعد ماں باپ نے الگ کر دیا اب گھر کرنے بیٹھے اب وہ غموم دہر میں مبتلا ہوئے الگ ہوتے وقت ماں باپ نے ایک ماہ کا غلہ وغیرہ دیدیا تھا مہینہ بھر تک وہ کھاتے رہے جب ختم ہو گیا اب بیوی نے کہنا شروع کیا کہ غلہ لاؤ گھی لاؤ۔ کپڑا بناؤ وغیرہ وغیرہ یہ لاؤ وہ لاؤ تو آپ کہتے ہیں بی تو پاگل ہو گئی ہے کیسی لکڑی کیسا غلہ کیسا گھی۔ میں نے ان چیزوں کی کہاں ذمہ داری کی ہے اُسنے کہا آخر تم نے ایجاب قاضی پر کہا نہ تھا کہ میں نے قبول کی وہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ تو نہ کہا تھا کہ میں نے غلہ وغیرہ بھی قبول کیا میں نے تو فقط تجھے قبول کیا تھا نہ میں نے آٹا قبول کیا نہ لکڑی قبول کی غرض جھگڑا اسقدر بڑھا کہ محلہ کے عقلاء فیصلہ کرنے کے لیے جمع کیے گئے انمیں آپ بھی ہوں۔ اب آپ بتائیے کہ کیا فیصلہ کرینگے کیا یہ فیصلہ نہ کرینگے کہ روٹی کپڑا سب اُس سے دلائینگے اور کہیں گے کہ ارے احمق بیوی کا قبول کرنا اُسکی تمام ضروریات کا قبول کر لینا ہے اسکے لیے کسی مستقل معاہدہ کی ضرورت نہیں۔ بس لا الٰہ الا اللہ کے بھی یہی معنی ہیں۔ اب خبط سنبھلکر کہیگا بس اسی مختصر کلمہ نے تمام باتوں کو لیلیا ہے لہٰذا جب وضع خلاف شرع ہو گی تو ایک جز لا الٰہ الا اللہ کا چھوٹا تو مولوی اہل محلہ کے مثل ہیں اور یہ اسی دولہا کے مثل ہے جو کہتا ہے کہ میں نے تو لا الٰہ الا اللہ کہا تھا یہ کہاں کا جھگڑا نکالا کہ وضع خلاف شرع نہ رکھو داڑھی مت منڈاؤ یا مت کٹاؤ مونچھیں مت بڑھاؤ نماز پڑھو روزہ رکھو۔

اب تمہارے ہی اجلاس میں میں فیصلہ کرتا ہوں کہ کیا مثال مذکور کیطرح اس شخص کا فقط لا الٰہ الا اللہ کو کافی سمجھنا صحیح ہے ذرا بھی عقل سلیم ہوگی تو کون کہے گا کہ صحیح ہے یہ تو اسلام کا سن نکالا کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لو بس کافی ہے۔ بس یہ اسلام کی حقیقت بنا دی اسی سے کہتے ہیں کہ اسلام بہت وسیع ہے یہ تو امت جدیدہ کا مذاق تھا اب قدیم مذاق والوں کو لیجئے ان میں جو بڑے دیندار کہلاتے ہیں انہوں نے یہ کیا کہ نماز روزہ کر لو حور و قصور کا اعتقاد کر لو بس اسلام انہیں منحصر ہو گیا آگے رہے معاملات۔ جذبات۔ اخلاق تہذیب۔ معاشرت۔ تمدن اسکو سمجھا کہ اسلام میں تو ہے نہیں پھر یا تو انکو مطروح کر دیا اور اگر کسی نے ان کا اہتمام کرنا چاہا تھا تو بس غیر قوموں سے لینا شروع کر دیا افسوس ہماری گھر کیا نہ تھا جو دوسروں سے دریوزہ گری کیگئی ہماری آپکی بس یہ مثال ہے ؎

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر
تو ہمی جوئی لب نان در بدر

ایک ٹوکرا روٹیوں کا سر پر ہے مگر بھیک مانگتے پھرتے ہیں ایسی اتنی روٹیاں ہیں کہ اوروں کو بھی دے سکتے ہو آج جو متمدن قومیں ہیں اُن کا اعتراف ہے کہ ہم نے سب اسلام سے سیکھا ہے مگر مسلمان ایسے بے خبر ہیں کہ اپنا گھر چھوڑ کر پرائے در پر جاتے ہیں اُسی مثال مذکور کا تتمہ ہے ؎

تا بزانوئی میان جوئے آب
وز عطش وز جوع گشتستی خراب

گھٹنے تک پانی ہے مگر اُس سے غافل ہیں اور پیاس کے مارے غل مچا رکھا ہے بس یہ حالت ہے اسلام کی حقیقت سمجھنے والوں کی سو اس آیت میں حق تعالیٰ نے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اسلام کیا چیز ہے اپنے کو خدا کے سپرد کر دینا جس کا حاصل وہی تعلق مع اللہ نکلتا ہے جو تمہید میں بیان کیا گیا ہے یہاں ایک غلطی اور ان نے محققین کی حقیقت اسلام کے متعلق یاد آئی ایک صاحب کہنے لگے کہ مسلمان ہونے کے لیے صرف توحید کافی ہے اعتقاد رسالت کی ضرورت نہیں۔ یہ زہر آلود عقیدہ ایک قریب کے ضلع سے نکلا ہے میں نے کہا اگر توحید کا عقیدہ کافی بھی تسلیم کر لیا جاوے تب بھی وہ عقیدہ توحید کا بدون اعتقاد رسالت متحقق نہیں ہوتا وجہ یہ کہ توحید کی حقیقت خدا کو ذات و صفات میں کامل سمجھنا ہے اور منجملہ صفات باری تعالیٰ صدق بھی ہے اگر کوئی (معاذ اللہ منہا) خدا کو جھوٹا سمجھے تو وہ بوجہ انکار صفت کمال صدق کے توحید کا منکر ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ کہ خدا نے ہمیں خبر دی ہے کہ محمد رسول اللہ تو جس نے دل سے اسکا یقین نہ کیا اُس نے خدا کو جھوٹا جانا تو وہ توحید کا بھی منکر ہوا نہ جواب کے واسطے دس برس کی مہلت ہے اسکے بعد اُن صاحب کی حالت اچھی ہو گئی الحمد للہ۔ بات یہ ہے کہ اونٹ جب تک پہاڑ تلے سے نہ نکلے اپنے کو بہت بڑا سمجھتا ہے تو اصل میں انھیں کوئی

اُن کے مذاق کا جواب دینے والا نہیں ملا تھا اسلئے اُن کے دماغ میں یہ سمائی رہتی کہ میں بڑا ہوں۔ گو ایسے بڑے پیسے کے آٹھ آٹھ بکتے ہوں بس اتنا فرق ہے کہ وہ تر بڑے ہیں یہ خشک بڑے ہیں بلکہ ایک شخص کا قول ہے کہ آج کل کے بڑے بڑیاں ہیں بڑے نہیں خیر یہ تو لطیفے تھے اصل میں بڑائی میں بڑی خرابی ہے مگر افسوس آج کل کے محقق اسکی تعلیم دیتے ہیں خود داری جسکا نام ہے یہ بھی وہی بڑائی ہے افسوس یہ اسی شاخ کو تازہ کر رہے ہیں جسکی جڑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاٹی ہے۔ جانتے ہو خودداری کا بانی کون ہے شیطان ہے جسنے آٹھ لاکھ برس تک عبادت کر کے جب اس کو ارشاد ہوا اسجدوا لآدم آدم کو سجدہ کرو تو یہ قصہ ہوا کہ فسجدوا الا ابلیس أبی واستکبر کہ سب نے تو سجدہ کر لیا اور یہ کہتا ہے میں نہیں کرتا اس واسطے کہ مجھے عنصر اعلیٰ یعنی آگ سے بنایا ہے اور آدم کو عنصر ادنیٰ یعنی خاک سے بنایا ہے غرض یہ اصول خودداری انہی نے ایجاد کیے ہیں جو اُسکے وارثوں کو میراث میں پہونچتے ہیں اور انبیاء کے وارثوں میں یہ بات کہاں سے آتی اُن کی یہ میراث ہے کہ من تواضع للہ رفعہ اللہ سو وہ اپنے کو بڑا نہیں سمجھتے اور واقعی اگر کوئی بڑائی کرنے بھی لگے تو ہماری بڑائی ہی کیا ہے

زخاک آفرید نت خداوند پاک ... پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک
ترا با چنیں تندی و سرکشی ... نہ پندارم از خاکی یا آتشی

دنیا میں تین چیزیں ایسی ہیں جن پر آدمی بڑائی کر سکتا ہے ایک مال۔ دوسرے جمال تیسرے کمال۔ بس یہ تین چیزیں ہیں بڑائی کی۔ سو مال پر تو کیا بڑائی کسی چور کو ذرا ہمت ہو جاوے ایک دن میں ساری بڑائی جھکڑ پیٹر لاد کر لیکر چلدے۔ اب رہا جمال خدا بھلا کرے بخار کا کہ دو ہفتہ میں چڑیل بھوت کی شکل بنا دیتا ہے پھر اپنی صورت سے آپ ہی شرم آنے لگتی ہے۔ رہا کمال تو تمام کمالات کا مدار ایک دماغ ہے دماغ پر کوئی آفت آجاوے لیجیے وہ بھی گیا یہ حشر ہے بڑائی کا یہ بڑائی مستقل کے بھی تو خلاف ہے یہ تو دنیا کی بڑائی تھی بعض کو دین کی بڑائی کا زعم ہو جاتا ہے تو یہ حالت ہوتی ہے کہ قرآن و حدیث کا ترجمہ دیکھا اور اجتہاد شروع کر دیا ترجمہ سے بدون حقیقت شناسی کے اجتہاد کرنا ایسا ہی ہے جیسا کسی شخص نے گلستاں کا لفظی ترجمہ دیکھکر اجتہاد کیا تھا اسمیں یہ شعر دیکھا تھا کہ

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ... در پریشاں حالی و در ماندگی

ان کو ایک جگہ ان کے دوست پٹتے ہوئے ملگئے مگر وہ بھی کچھ کچھ ہاتھ پاؤں چلا رہے تھے آپنے اس دوست کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے بس خوب پٹے اُسنے بعد میں پوچھا یہ کیا حرکت تھی تو آپ فرماتے ہیں کہ دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست کا ترجمہ دیکھ لیا غنیمت سمجھیے ورنہ دوست کے پاخانہ کا دست اُٹھا کر لایا کرتا

ایسے ہی اجتہاد سے ان لوگوں نے دین کی گت بنائی ہے ایک دوست سے مجتہد صاحب نے فخراً بیان کیا کہ
جس روز پرچے آئے تھے امتحان کے ہم نے تو نماز میں قصر کیا تھا کہ فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ
ان خفتم تم پر گناہ نہیں اگر تم نماز میں قصر کرو جب کہ تمھیں خوف ہو۔ ہم کو جواب کے صحیح نہ لکھے جانے کا بڑا خوف
تھا اس لیئے ہمنے قصر کیا۔ ایک دوست وہاں موجود تھے اُنھوں نے پوچھا کہ کیوں صاحب جو معاہدہ
مشروط ہو دو شرطوں کے ساتھ وہ کیا ایک شرط کے تحقق سے مکمل ہو جاتا ہے اُنہوں نے کہا نہیں
اُنہوں نے کہا کہ آپنے قرآن کی آیت پوری نہیں پڑھی لیس علیکم سے پہلے اذا ضربتم فی الارض بھی ہے
کہ جب تم زمین میں سفر کرو۔ خیر خوف تھا مگر آپنے سفر کو اُڑا دیا تھا۔ بس ہو چکا اجتہاد آپنے نماز کھوئی
اُسکی قضا کیجیے تھے بھلے مانس اقرار غلطی کا کیا تو یہ حالت ہے مجتہد و نکی۔ ایک صاحب نے کہدیا کہ سود
حرام ہی نہیں اور لا تاکلوا الربوا میں یہ لفظ ربوا بکسر را نہیں ہے بلکہ رُبا بضم را ہے جسکے معنی لوٹ
مار کرنے اور اُچک لینے کے ہیں۔ پس جو مال لوٹ کر لیا جائیگا وہ حرام ہوگا ان مجتہد صاحب کو بھی خبر
نہیں کہ کہاں رُبا جو ربودن فارسی سے مشتق ہے اور کہاں عربی قرآن اگر ایسے ہی مجتہدین ہوں گے
تو پھر دین کا خدا حافظ ہے ؎

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند ۔۔۔ ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

اگر انکے قبضہ میں اسلام ہوتا تو خدا جانے کیا کیا گت بناتے مگر وہاں تو ارشاد ہے انا نزلنا الذکر وانا لہ
لحافظون خدا تعالیٰ نے خود حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور واقعی عجب طرح حفاظت فرمائی ہے کہ ایسی بے
سر و سامانی کی حالت میں علماء تیار ہوتے ہیں کہ آج کوئی چیز علم دین کیطرف رغبت دلانے والی نہیں ہے
یہ اُدھر ہی کی حفاظت ہے کہ باوجود اس ناقدری کے پھر بھی اللہ کے نیک بندے اسطرف متوجہ ہوتے ہیں
پس جب وہ خود محافظ ہیں تو پھر بھلا کون دین کو مٹا سکتا ہے۔ ؎

چراغے را کہ ایزد برفروزد ۔۔۔ ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

اگر کوئی کہے کہ ہمارے پاس ریش ہی نہیں تو ہم اُسکے لیے کہینگے ع ہر آنکس تف زند رویش بسوزد۔ یہ خرابیاں
ہیں اپنے کو دین میں بڑا سمجھنے کی۔ اور کسی اخبار میں چھپا تھا کہ زمانہ مقتضی ہے کہ مذہب سب روی زمین کے
لوگوں کا ایک ہو یہ مختلف فرقے آریہ عیسائی شیعہ سنی کچھ نہ رہیں پھر وہ کونسا مذہب ہو سو اگر مذاہب
موجودہ میں سے کوئی مذہب تجویز کیا جاوے تب تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اسلیئے نہ تو سب مسلمان ہو سکتے
ہیں نہ ہنود نہ عیسائی کیونکہ ایسا ہیں تو پھر وہی اختلاف ہوگا پس اسکی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ تھوڑا تھوڑا
رعایت تمام مذاہب کی رکھو اسطرح سے کہ اصل مذہب تو توحید کو قرار دو اور باقی سب مذاہب کے اجزاء کو فروع

قرار دیکر ہر ایک کو اُسکی حالت پر رہنے دو اور کسی سے تعرض نہ کرو اگر ایسا ہو جاے تو اچھا ہے بس پھر سب مل جلکر رہو یہ رائیں ہیں میں کہتا ہوں گورنمنٹ کے قوانین میں کیوں دست اندازی نہیں کرتے بس یہ اللہ میاں ہی کا قانون ہے تختۂ مشق بنانے کے لیے اور یہ تو اُن کی حالت ہے جو بددین ہیں اور جو دیندار ہیں اُن میں بعضوں کو یہ خبط ہو گیا کہ دو چار کتابوں کے ترجمے دیکھ لیے مجتہد ہو گئے تصوف کے رسالے دیکھ لیے اور شیخ کامل بنگئے۔ طب احسانی دیکھ لی مطب کرنے لگے طبیب حاذق بن گئے اب شیخ کی کلیات بھی لغویات اور واہیات ہو گئیں مسہل کا ایک نسخہ یاد کر لیا چاہے جس خلط کا غلبہ ہو وہی ایک نسخہ دیدیا مریض چاہے مرے چاہے جئے جیسے ایک سیاح کا قصہ سنا ہے کہ اسنے ایک میم کو دوا دی تھی۔ پولیس کمشنر بمبئی کی میم تھی آدھے سر کے درد کی شکایت تھی کسی طرح اچھا نہوتا تھا ان سیاح صاحب نے انعام کے لالچ میں اُسے اپنے پاس سے بوٹی دی خدا کی شان کہ وہ اچھی ہو گئی اب یہ گئے انعام مانگنے اُس نے پوچھا کہ یہ کیا بوٹی تھی جو تم نے دی تھی اُسکی کیا خاصیت ہے اور کیا مزاج ہے اور اس کا کیا کیا نفع ہے اور اگر نقصان کرے تو کیا تدارک ہے انھوں نے کہا کہ یہ تو مجھے معلوم نہیں اُسنے کہا ایسی نامعلوم چیز سے تمنے ہمارا علاج کیوں کیا اگر ہم مرجاتے یا ہمارا مرض بڑھ جاتا تو کیا ہوتا اُس کا چالان کرا دیا مقدمہ چلا اور وہ جیلخانہ گیا بس ایسے مجتہدوں کو بھی اگر ایسی سزا ملا کرے تو آنکھیں کھل جایئں۔ مولویوں کے قال بقال سے یہ باز نہیں رہ سکتے اگر مولوی کہیں بھی تو گالیاں کھایئں غرض اس ٹرانی کی بدولت ان اجتہادات کی نوبت پہونچی اور ان اجتہادات کی بدولت ان لوگوں نے اسلام کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کی بعض جو مدعی اجتہاد بھی نہیں انھوں نے اسلام کے احکام وضوابط اور ان کا اغراض و رسوم کے ساتھ مزاحم ہونا دیکھکر اُس کی حقیقت کا عجیب خلاصہ نکالا چنانچہ ایک شخص مجھسے کہتے تھے کہ اسلام کی تعلیم کا یہ خلاصہ ہے کہ نہ خوشی میں ہنسو نہ رنج میں روؤ تو یہ معنی اسلام کے سمجھے اور ان کو اسلام بڑا سخت اور خونخوار نظر آنے لگا غرض افسوس اسلام کو ان میں سے کسی نے بھی نہ سمجھا سو سمجھ لو کہ اسلام تعلق مع اللہ کا نام ہے اور دین اسلام سے یہی مقصود ہے پس اس حقیقت پر اگر مفصل نظر کرو تو اب معلوم ہوگا کہ اسلام کیسی حسین چیز ہے اسلام وہ چیز ہے کہ ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ۔۔۔ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

خدا کی قسم جس پہلو سے لو نہایت راحت بخش اور مصالح کی رعایت کرنے والا مذہب ہے میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں اسکی تعریف کر سکوں ؎

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش ۔۔۔ حسن ایں قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

کسی محقق کے پاس چند روز رہ لو اُس وقت آنکھیں کھُلیں کہ اسلام کیا چیز ہے اسلام وہ مذہب ہے جس نے ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی ہے کہ جب تین آدمی کسی مجلس میں بیٹھے ہوں تو دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کہ تیسرے کی دلشکنی ہو گی وہ سمجھے گا کہ بس مجھ سے مخفی رکھتا ہے ہاں جب چار ہو جائیں تو کچھ حرج نہیں کہ وہ دونوں بھی سرگوشی کر سکتے ہیں اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شاید دوسرے سے مخفی رکھتا ہو اور لیجیے حضورؐ کے پاس ایک صحابی حاضر ہوئے آواز دی آپ نے پوچھا من کون ہے انہوں نے کہا انا میں ہوں آپ نے فرمایا انا انا میں میں یہ بھی کوئی جواب ہوا کتنی معقول بات فرمائی پہلی آواز سے آپ نے نہیں پہچانا اسلئے پوچھا کہ کون ہے اُسکے جواب میں میں ہوں کہنا غلطی ہے اس واسطے کہ اس سے مزید پتہ نہ معلوم ہوا جو آواز پہلے معلوم ہوئی تھی وہی اب بھی معلوم ہوئی اگر آواز سے پہچانتے تو پہلے ہی پہچان لیتے اور یہاں تک تعلیم فرمائی کہ قانون تبلا دیا جب کسی کے گھر جاؤ تو پہلے دروازہ پر اجازت لے لو کہ السلام علیکم فلاں حاضر ہوا اگر جواب نہ آئے پھر اجازت مانگو پھر کہو تیسری بار اجازت مانگو تین دفعہ کے بعد بھی اگر کوئی نہ آوے نہ جواب دے تو لوٹ جاؤ شکایت مت کرو بُرا مت مانو کتنی اچھی تعلیم فرمائی ہے باب اخلاق کا خلاصہ یہ ہے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

مصرعہ ثانی کا یہ مطلب نہیں کہ ایک کو دوسرے سے ہمدردی نہو بلکہ مقصود یہ ہو کہ ایک کو دوسرے سے ایذا نہو۔ اسباب ایذا کو نہایت اہتمام سے رفع کیا گیا ہے اس کا نہایت اہتمام کیا ہے کہ کسی کو کسی سے تنگی نہو اور خود حضورؐ نے عمل کر کے بھی دکھلا دیا حالانکہ آپ پر کسی کو جان تصدق کرنے میں بھی دریغ نہ تھا مگر پھر بھی آپ نے معاملات میں خدام کو کسقدر آزاد رکھا تھا کہ حضرت بریرہؓ پہلے ایک باندی تھیں حالت رق میں ان کا نکاح کر دیا گیا تھا اُس کے بعد یہ آزاد کی گئیں تو قانون شرعی یہ ہے کہ جو کوئی باندی آزاد ہو جائے تو اُسے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے نہ رہنے میں اختیار ہوتا ہے تو بریرہؓ نے آزاد ہوتے ہی اُن شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا انکے شوہر انھیں بہت چاہتے تھے انھیں انکی جدائی ناگوار ہوئی بیچارے روتے پھرتے تھے حضورؐ نے انکی حالت جب خراب دیکھی حضرت بریرہؓ سے فرمایا کہ تم مغیث کے ساتھ نکاح کر لو تو اچھا ہو تو حضرت بریرہؓ سوال کرتی ہیں کہ حضورؐ یہ حکم ہے یا سفارش آپ نے فرمایا کہ سفارش ہے تو بریرہؓ کہتی ہیں میں نہیں قبول کرتی آپ خاموش ہو رہے ناخوش نہیں ہوئے ذرا بڑے لوگ غور سے دیکھیں کہ سفارش کا کیا درجہ ہے آج کسی پیر صاحب یا کسی مولوی صاحب سے بریرہؓ کی سی گفتگو کر کے دیکھ لیجیے کتنا ناخوش ہونگے افسوس کیا حضورؐ سے بھی بڑھ گئے کہاں کی مولویت کہاں کی پیری اہنو ہر اہو بن اپنا اثر

ڈال کر دوسرے کو مجبور کرنا چاہتے ہیں ہم نے ریل میں ایک مدعی آزادی کو دیکھا کہ گھسی ہوئی دوُنی قلی کو دی اُسنے کہا کہ بدلدیجئے انکار کر دیا اُسنے کہا کہ یہ نہیں چلیگی کہا کہ چلادینا اُس نے کہا کیونکر چلادوں کہا جسطرح ہم نے چلادی ہے۔ ارے تم تو ظالم تھے اس واسطے تمنے چلالی وہ غریب تمہاری طرح کیسے چلا سکتا ہے۔ وہ بیچارہ روتا ہوا چلا گیا۔ یہ کیا تعلیم ہے کیا تہذیب ہے۔ تم معاشرت میں جنکی حرص کرتے ہو وہ تو ایسا نہیں کرتے کہ خواہ مخواہ کسی غریب پر اس طرح کا ظلم کریں۔ کیا یہی معنی ہیں آزادی کے کہ ہمپر تو کسی کا بوجھ نہ پڑے اور ہمارا بوجھ سب پر پڑے اصل آزادی وہی ہے جو اسلام نے تعلیم فرمائی ہے جسکا خلاصہ ہے ع بہشت آنجا کہ آزارے نباشد یہان واقعات سے بڑھکر ایک اور قصہ مسلم شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے شوربا پکایا تھا حضور کی دعوت کی آپ نے فرمایا کہ بھئی عائشہ بھی چلیں گی اُنہوں نے کہا نہیں فقط آپ۔ آپنے فرمایا کہ پھر میں بھی نہیں چلتا اُنہوں نے کہا نہ سہی وہ چلے گیے دوبارہ پھر آئے پھر یہی گفتگو ہوئی پھر چلے گئے۔ تیسری مرتبہ میں اُنہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کی بھی دعوت منظور کی۔ سبحان اللہ کیا آزادی ہے کیسا بے تکلف کہدیا کہ نہ سہی اور جب وہ اسقدر آزاد تھے تو بعد میں جو انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کی دعوت بھی کردی تو وہ اُسوقت اُنکی رائے بدلگئی تھی جبر کی کوئی بات نہ تھی اللہ اکبر یہ ہے آزادی کوئی ایسا کرکے تو دکھلاوے ہمارے استاد زادہ ہیں حکیم معین الدین صاحب اُن کے یہاں مولانا گنگوہی رحؒ تشریف لائے اُسروز اُنکے گھر میں سناٹا تھا عرض کیا میرے یہاں تو آج کچھ ہے نہیں اگر آپ فرمائیں تو کسی اور کو دعوت کی ترغیب دوں۔ مولانا نے فرمایا کہ میں تمہارا مہمان ہوں تمہارے گھر فاقہ ہے تو میں بھی فاقہ کروں گا یہ ہیں متبع سنت وہ تھوڑا ہی کہ دو چار اختلافی مسئلوں میں شور کر دیا بس متبع سنت ہو گیے مولانا کی برکت سے شام کے وقت ایک شخص آیا حکیم صاحب کو کچھ روپے نذر دے گیا اب کیا تھا مولانا نے فرمایا بکھیڑا نہ کرنا حکیم صاحب نے عرض کیا واہ فاقہ کے بعد بھی بکھیڑا نہو تکلف کا کھانا تیار کرایا۔ حضرت! کیا بے آزار زندگی ہے گاڑھے کے کپڑے ہیں اُس میں بھی راضی ہیں دوشالہ ہے تو اُس میں بھی خوش ہیں اور اصل آزادی تو اہل اللہ میں ہے مگر دنیا داروں میں بھی پرانی وضع میں بہ نسبت نئی وضع کے پھر کسیقدر آزادی ہے جو جی چاہے پہن لیجیے آجکل اگر کوٹ پہنیں تو لنگی فیشن کے خلاف لنگی باندھیں تو کوٹ فیشن کے بالکل خلاف بخلاف پرانی وضع کے کہ ع لنگے زیر و لنگے بالا پسب کھپتا ہے پس آزادی تو یہ ہے اور یہ وہ تو جکڑ بندی ہے خدا جانے اس کا نام آزادی کس نے رکھا ہے جب فیشن ہے تو آزادی کہاں وہ تو اچھی خاصی قید ہے غرض اسلام کی حقیقت اور اُسکی تعلیمات کو دیکھیے تو پھر اُسکا حسن و جمال معلوم ہو اور جو لوگ اس سے کور ہیں اُنہوں نے

حقیقت ہی نہیں سمجھی سو اسلام کے معنے ہیں اپنے کو خدا کے سپرد کر دینا اور جب سپردگی ٹھیری تو ایک ذرہ برابر جز میں بھی اگر خود رائی ہوگی تو سپردگی کہاں رہے گی۔ اب بالکل سمجھ میں آجائیگا کہ پاجامہ ٹخنوں سے نیچا پہننا اسلام کے خلاف کیوں ہے اور داڑھی کتانا یا منڈانا اسلام کے خلاف کیوں ہے۔ یا جامہ کرتہ ٹوپی کی خاص اوضاع اسلام کے خلاف کیوں ہے اور اسی سپردگی کی ایک مثال ہے کہ کوئی مقدمہ ایک وکیل کے سپرد کر دیتے ہیں یا پنچ کے سپرد کر دیتے ہیں اس عارضی سپردگی کا یہ اثر ہے کہ پھر انہیں کوئی رائے نہیں دیتا۔ جو وہ کہے مانتا ہے جو وہ کرے کرتا ہے۔ اسی طرح خدا کو سپرد کرنے کے بعد بھی رائے زنی نہ کرنا چاہیئے۔ یہ ہے تفویض الی اللہ اسی کو عارف شیرازی کہتے ہیں

؎ فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست — کفرست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

اس زمانہ میں یہ دونوں مرض عام ہیں۔ عام طور سے اسلامی مسائل میں رائے دیتے ہیں کہ ہمارے خیال میں یوں ہونا چاہیئے ارے تم ہو کیا چیز تمہاری ایسی ہی مثال ہے کہ ایک کاغذ کا مل ہے اُس میں سیکڑوں آدمی نوکر ہیں اُس میں حوض بھی ہوتے ہیں اور حوض میں پانی بھی ہوتا ہے۔ جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ پانی کے ایک قطرہ میں لاکھوں کیڑے ہوتے ہیں جو خردبین سے نظر آتے ہیں ان کیڑوں میں سے ایک کیڑا آپ سے یہ کہے کہ میری رائے میں آپ اس کلرک کے بجائے فلاں کلرک کو رکھ لیجیئے تو آپ بہت ہنسینگے کہ وہ کیڑا جو کہ پانی کے ایک قطرہ سے بھی لاکھوں حصہ چھوٹا ہے ہمیں رائے دیتا ہے اسے کیا خبر کہ کیا ہونا چاہیئے جو اس کیڑے کی رائے آپکے کاغذ کے کارخانہ میں وقعت رکھتی ہے۔ واللہ خدا کے کارخانہ میں آپکی رائے کا بھی وہی درجہ ہے بلکہ اُس سے بھی بدرجہا زیادہ ذلیل و خوار ہے واللہ بغاوت عظیمہ ہے کہ ہمارے خیال میں۔ ہمارا خیال ہی کیا چیز ہے شرم نہیں آتی کہ خدا کو رائے دیتے ہو حالانکہ تم خدا کے مقابلہ میں اتنے بھی نہیں جتنا تمہارے مقابلے میں وہ کیڑا ہے کیونکہ کمالات باری غیر متناہی ہیں اور تم متناہی ہو اور وہ کیڑا بھی مثل تمہاری متناہی۔ تو رائے ہماری کیا ہے حاصل یہ کہ سپرد کر دینے کے بعد پھر رائے نہیں دی جایا کرتی جسطرح مقدمہ وکیل کے سپرد کر دینے کے بعد کوئی رائے نہیں دیتا اسی کو فرماتے ہیں اسلم وجہہ باقی ذات کو وجہہ سے کیوں تعبیر کیا۔ سو وجہ کہتے ہیں منہ کو عموماً مفسرین نے تو یہ لکھا ہے کہ یہاں تسمیۃ الکل باسم الجزء ہے یعنی جزو بولکر کل مراد لیا ہے اور وجہ تخصیص یہ ہے کہ وجہ تمام اعضاء میں اشرف تھا جب اشرف کو سپرد کر دیا تو کل کو سپرد کر دیا مگر ایک اس سے زیادہ بات لطیف ہے وہ یہ کہ پہچان چہرہ سے ہوتی ہے تو گویا تشخص میں زیادہ دخل چہرہ کو ہے پس وجہ سے تعبیر کرنا

ذوات مشخصہ کو نہایت برمحل ہے یہ تو پرانے طالبعلموں کے کام کی بات تھی۔ ایک بات تو تعلیم یافتہ لوگوں کے کام کی بھی سمجھ میں آئی کہ آج کل جو رائی دیجاتی ہے اس کی قوت دماغ کے اندر ہے اور وجہ کو دماغ سے خاص تلبس ہے گویا دونوں متلازم ہیں پس وجہ کو سپرد کرنا گویا دماغ کو سپرد کرنا ہے اور دماغ کے سپرد کرنے کے بعد جب دماغ ہی آپ کا نہ رہا تو رائے اور خیال آپ کا کہاں سے آیا تو یہ تعبیر مشیر ہے خود رائے کے قطع کر دینے کی طرف اگر کوئی کہے کہ کیا دماغ سے کام نہ لیں اسلام کے احکام تو سب دماغ ہی کے متعلق ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر مقدمہ کسی بیرسٹر کے سپرد کر دو تو اگر وہ گواہوں کی شناخت کے واسطے کہے تو کیا اس کو یہ جواب دو گے کہ ہم نے تو آپکے سپرد کر دیا جس چیز کو سپرد کر دیا ہے آپ اس میں اپنی رائے کا دخل مت دو باقی جتنے ہیں وہ خود دخل دینے کو کہے اس میں دخل دو پس اسی طرح یہاں بھی دماغ سے اُتنا کام لو جتنا حکم ہے اور یہ توجیہیں تو جب ہیں کہ وجہ کو ظاہری وجہ پر رکھا جائے اور اگر وجہ کو وجہ باطن پر محمول کیا جائے تو یہاں پر وجہ کے معنے قلب کے ہونگے جیسے انی وجہت وجہی للذی فطر انی میں کہا گیا ہے کہ یہاں وجہ سے مراد چہرہ نہیں ہے کیونکہ اسکو خدا کی طرف کرنے کے کیا معنے بلکہ یہاں مراد قلب ہے کہ میں نے پھیر دیا رخ قلب اپنا خدا کی طرف جس نے مجھے پیدا کیا تو یہ اسلم وجہ کا بطن اور باطن تھا خلاصہ مجموعہ توجیہین کا یہ ہوا کہ اپنی ہر چیز کو خدا کے سپرد کر دیا۔ اب سمجھیے کہ کبھی سپرد کرنا غرض کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی خوف سے اور کبھی محبت سے محققین کا مذہب یہی ہے کہ اگر کسی نے غرض کیوجہ سے سپرد کیا کہ کام خوب نکلینگے تو یہ شرک خفی ہے کہ کام بنانے کے لیئے اطاعت کرتا ہے خدا کے لیئے نہیں کرتا پس یہ تسلیم اسلیئے کرو کہ اس کا حق ہے اسلیئے وھو محسن بھی فرمایا کہ سپرد کرنے میں اخلاص ہو اپنی کوئی غرض وابستہ نہ ہو چنانچہ اسلام جب ہی مقبول ہے کہ اس میں ریا نہ ہو کیونکہ یہ خلاف اخلاص ہے اس تفسیر کے بعد معلوم ہو گیا ہو گا کہ اسلام مطلوب کی یہی حقیقت ہے کہ خالصاً اللہ کے ہو جاؤ۔ آگے احسان کے متعلق بھی بہت مضمون تھا مگر اب وقت نہیں رہا انشاء اللہ پھر کسی موقعہ پر مستقلاً بیان کر دیا جائیگا اسکے بعد اب وعدہ ہے کہ فلہ اجرہ عند ربہ اسکے لیئے اس کا اجر ہے اسکے پروردگار کے نزدیک فلہ اجرہ پر کفایت نہیں کی بلکہ عند ربہ بھی بڑھایا اس میں بڑا راز ہے ایک تو کسی مزدور سے کہیئے کہ کام کرو ہم تمہیں کھانا کھلائینگے اور ایک یہ کہ اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلائینگے اور وہ مزدور عاشق بھی ہو تو کسقدر شوق سے کام کریگا اور کھانے سے کسقدر مسرور ہو گا عند ربہ اسلیئے بڑھایا ہے ۵

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ * جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ * ہر کجا دلبر بود خرم نشیں * فوق گردوں است نے قعر زمیں

سبحان اللہ کیا قرآن کی بلاغت ہے بس یہ شعر صادق آتا ہے ؎

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد - برنگ اصحاب صورت را ببوار باب معنی را

یعنی دو مذاق کے لوگ ہیں ایک تو روٹ کھوٹے جیسے ہم ہیں اُن کو فلہ اجرہ سے خوش کر دیا کہ گھبراؤ نہیں روٹیاں ملجائینگی - ایک وہ ہیں جو دیدار کے مشتاق ہیں اُنکے واسطے عند ربہ فرمایا کہ دعوت ہوگی اور ہمارے پاس ہوگی اور ربہ سب انعام ہوا انعام کا کمال یہ ہے کہ منفعت عطا ہو اور مضرت سے بچایا جاوے منفعت کا مذکور تو ہو چکا آگے مضرت سے بچانے کا وعدہ ہے کہ لاخوف علیہم اُن پر کوئی خوف نہیں - کوئی قید نہیں لگائی کہ کہاں خوف نہیں گو بعض جگہ سے آخرت کی قید معلوم ہوتی ہے کہ آخرت میں کوئی خوف نہیں لیکن یہاں کا اطلاق اگر بحالہ رکھا جاوے تو دنیا و آخرت دونوں کو عام رہے گا رہا یہ کہ دوسری آیات میں یخافون سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خوف ہے سو محققین نے جواب دیا ہے کہ لاخوف علیہم فرمایا لاخوفہم یا لایخافون نہیں فرمایا یعنی اُنپر خوف کی چیز واقع نہ ہوگی گو خود وہ خوف کیا کریں اسکے بعد ارشاد ہے ولاھم یحزنون اور نہ وہ غمگین ہوں گے خوف آیندہ کا اندیشہ ہے اور حزن واقعۂ ماضیہ کے متعلق ہوتا ہے تو حاصل یہ ہوا کہ نہ تو مستقبل میں کسی مضرت کا احتمال ہے نہ کسی ماضی کی فوت سے اُنپر حزن ہے کہ ہائے یہ نہوا ہائے وہ نہوا نہ دنیا میں نہ آخرت میں خلاصہ یہ کہ ہر قسم کی مضرتوں سے محفوظ ہونگے یہ اسلام پر انعام ہوا اے صاحبو! اس تقریر سے اسلام کی حقیقت یا بلفظ دیگر تعلق مع اللہ کے برکات ظاہر ہوگئے پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ اسے نہ اختیار کریں یہ بہت بڑی ذلت ہے یا تو مجھے کوئی دولت اسکے مقابلہ میں ایسی بتا دیجئے جو اس سے بڑھ کر ہو تاکہ میں بھی آیندہ اُسی کی ترغیب دیا کروں اور اگر ایسی کوئی دولت نہیں تو آپ بھی اسکے حاصل کرنے کی کوشش کیجئے - ورنہ حجت تمام ہو چکی اب آپ کے پاس قیامت میں کوئی جواب نہیں ہے - اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں توفیق عمل کی عطا فرمائے آمین فقط

تمت بالخیر